فرماتے ہیں۔ کہ جو ہندو قرآن اترنے سے پہلے اپنی شریعت پر قائم تھے۔ اور اپنے پیغمبر کی شریعت پر قائم تھے۔ اور سب پیغمبروں کو مانتے تھے۔ وہ ایماندار تھے۔ اور اچھے تھے۔ اور جو اپنی شریعت پر قائم نہ تھے یا کسی پیغمبر کے منکر تھے۔ وہ کافر تھے۔ [illegible] رحمۃ اللہ نے اپنے معتقدوں کی کتاب میں لکھا ہے کہ ہندوؤں میں ایک کتاب ایک فرشتے کے وسیلے اتری تھی۔ مولانا شاہ غلام علی صاحب جو حضرت علی کی اولاد میں تھے۔ انہوں نے اپنے پیر و مرشد مرزا جانجاناں صاحب شہید کا حال ایک رسالہ میں لکھا ہے۔ اور ان کے خط اسمیں جمع کئے ہیں۔ مرزا صاحب کے چودھویں خط میں یہ بیان لکھا ہے۔ کہ ہندوؤں کی پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ نے ایک کتاب بھیجی۔ کہ جس کا نام بید ہے۔ اسمیں چار دفتر تھے۔ اللہ نے کچھ باتوں کا حکم کیا تھا اور کچھ باتوں سے منع فرمایا تھا کچھ خبریں اگلے زمانہ کی تھیں۔ کچھ آئندہ زمانہ کی خبریں تھیں جو اللہ نے دی تھیں۔ ایک فرشتہ جس کا نام برہما تھا۔ اس کے وسیلے سے اللہ نے یہ کتاب بھیجی تھی۔ اور جتنے فرقے ہندوؤں کے ہیں سب کا اسی پر اتفاق ہے۔ کہ اللہ اکیلا ہے۔ سارا جہان اسی نے بنایا ہے۔ حساب کتاب کے سب قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ کوئی شریعت انہیں تھی۔ وہ اب موقوف ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہر قوم میں پیغمبر بھیجے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے ملکوں میں اللہ نے پیغمبر بھیجے۔ ان کا احوال انکی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کامل تھے اور اگلے بھی ان کی برکت سے کامل ہو جاتے تھے۔ پھر جناب مولانا صاحب صفحہ ۸۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حاجی صاحب حدیث میں میرے استاد ہیں اور صحبت کے پیر ہیں ایک دن ان کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ ایک جنگل ہے۔ آگ سے بھرا ہوا۔ کرشن جی آگ کے اندر ہیں۔ اور رام چندر اس آگ کے کنارے ہیں۔ ایک شخص اسکی تعبیر میں بول اٹھا کہ یہ دونوں آگ میں عذاب پاتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کہ اسکی تعبیر اور ہی ہے اگلے لوگوں میں کسی شخص کو معین کرکے کافر کہنا درست نہیں ہے جب تک اس کا کفر ثابت نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے (وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر) یہی آیت ہے جس کو مرزا قادیانی صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے۔ یعنی کوئی بستی ایسی نہیں جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گذرا ہو۔ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ اولیٰ نبی ہوں یا ولی ہوں۔ رام چندر اور کرشن جی خلقت کے شروع میں پیدا ہوئے۔ اس وقت میں عمریں لمبی تھیں اور طاقتیں زیادہ تھیں۔ وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کو آہستہ آہستہ اللہ کے راہ پر لیجاتے تھے۔ اور تحقیق ان لوگوں کے بزرگوں میں گنے گئے ہیں۔ اس وقت اگلے زمانے سے عمریں چھوٹی تھیں۔ اور طاقتیں کمزور تھیں۔ انہوں نے اپنے وقت کے لوگوں کے دل کو اللہ کی طرف انکا ایک کھینچ لیا۔ جو سنے کی کثرت جوان سے لوگوں نے نقل کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذوق و شوق اور دل کو اللہ کی طرف کھینچ لیجانا ان میں بہت تھا۔ تو اللہ کے عشق کی گرمیاں آگ کے جنگل کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔ کرشن جی جو اللہ کے عشق و محبت کے مزوں میں ڈوبے ہوئے تھے وہ اس آگ کے اندر دکھائی دئے۔ اور رام چندر جو آہستہ آہستہ اللہ کی محبت کی راہ میں چلتے تھے۔ وہ اس آگ کے کنارے دکھائی دیئے حاجی صاحب نے اس بات کو پسند کیا۔ اور اس تعبیر سے بہت خوش ہوئے۔ بعد اس کے شاہ غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ ابو صالح خان جو حاجی صاحب کے مرید اور جانشین تھے۔ وہ متھرا کی زمین میں گئے۔ ان کو کچھ ضرورت تھی۔ پاس کے سامان کیلئے سات روپیہ درکار تھے ایک رات کو تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے ایک شخص ظاہر ہوا ان کی صورت ایسی تھی جیسی صورت کرشن جی کی ہندو لوگ بیان کرتے ہیں۔ اس شخص نے سلام کیا۔ اور روپے آگے رکھ دیئے۔ حاجی صاحب بولے۔ ٹھہرو میں نماز پڑھ لوں۔ بعد نماز کے فرمایا۔ تمہارا نام کیا ہے۔ وہ بولے کرشن۔ یہ سات روپے تمہاری ضیافت کے ہیں کہ تم ہماری زمین میں آئے ہو۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں محمدی ہوں۔ ہمارے پیغمبر صاحب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہمارے حاجتوں اور مرادوں کیلئے کافی ہے۔ ہم کسی کا تحفہ نہیں لیتے ہیں۔ اس پر وہ رونے لگے کہ ہم نے آخری زمانے کے پیغمبر کی تعریف اور ان کے راہ پر چلنے والوں کی خاص محبت کا جتنا حال سنا تھا۔ اس سے زیادہ ہم نے دیکھ لیا۔ پھر صفحہ ۹۰ میں لکھا ہے کہ کرشن جی کو مولانا نے اچھے لوگوں میں سمجھا ہے۔ پھر صفحہ ۱۰۰ میں ہے کہ مولوی امام الدین صاحب جو لکھنؤ میں مولانا کے شاگرد تھے۔ انہوں نے کچھ باتیں آپ کی زبانی جمع کی تھیں۔ اسمیں لکھا ہے۔ کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور کنھیا جی کے حق میں کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا بہتر تو یہ ہے۔ کہ کنھیا کے حق میں چپ رہنا چاہئے۔ اور بھاگوت جو ہندوؤں کی معتبر کتاب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنھیا اولیاؤں میں سے تھے۔ اور ان کے مقام متھرا وغیرہ بلاشک عشق انگیز ہیں۔ یعنی ان مقاموں میں اللہ کا عشق جوش کرتا ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جو بانسے کے رہنے والے تھے ان کی نقل بیان فرماتی ہے۔ کہ فرماتے ہیں میں حج کو جاتا تھا۔ کنھیا کے مقاموں میں پہنچا۔ کنھیا کی روح تکبیر ساتھ حاضر ہوئی۔ اور پانچ اشرفیاں نذر کیں۔ کہ سلک [illegible] لگ جاتے ہیں۔ اس کو خرچ کیجئے۔ میں نے قبول کیں اور کہا کہ میں محمدی ہوں۔ میں اللہ کے سوا اور کسی سے مدد نہیں چاہتا ہوں۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کنھیا نجات والوں سے ہیں۔ ختم ہوا کلام مولانا کا۔ پھر صفحہ [illegible] میں تحریر ہے کہ ہندوؤں سے بحث کرتے ہیں۔ ان کے اگلے زمانہ کے خداپرست بزرگوں کو برا کہتے ہیں۔ وہ بڑا بیان کرتے ہیں۔ ایک نادان مسلمان نے ایک رسالہ ہندوؤں کے قائل کرنے کیلئے چھاپا۔ اس میں مہادیو کو جو حضرت آدم سے پہلے تھے۔ اور بڑے خداپرست تھے۔ انکی اس نادان مسلمان نے بہت برا کہا۔ کہ ہندوؤں کی بعض کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ مہادیو سے بعضے برے برے فعل ہوئے۔ وہ نادان یہ نہ سمجھا کہ ہندوؤں نے بہت جگہ کتابوں میں انکی خداپرستی و دینداری اور پرہیزگاری کا حال لکھا ہے۔ تو پھر اگر کسی کتاب والے نے ان پر کسی برے کام کی تہمت جوڑ دی۔ تو ہم کو یہ کہنا چاہئے۔ کہ جس شخص کی دینداری اور پرہیزگاری کی اتنی لوگ تعریف کرتے ہیں۔ تو وہ برا کہنے والا جھوٹا ہے۔ یا وہ کوئی دوسرا مہادیو ہے۔ ختم ہوا کلام بشارت احمدی۔ چونکہ بہت طول ہوا جاتا ہے۔ اس لئے اسی جگہ پر ختم کر دیا۔ ورنہ اس کتاب میں جناب مولانا نے بہت ہی سندوں سے پایہ ثبوت پر اس امر کو پہنچا دیا ہے کہ مہادیو راجہ رام چندر اور کرشن جی اور کنھیا جی کس طرح سے کامل تھے۔ بلکہ وہ پیغمبر اور نبیوں اور اولیاؤں میں سے تھے اور خدا کے خاص بندے تھے۔ اور مہادیو صاحب شریعت تھے اور مثل داؤد اور موسیٰ اور عیسیٰ اور محمد کے پیغمبر کے ان پر بھی کتاب نازل ہوئی ہے۔ اور کسی طرح سے ان کو برا کہنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ جو ان کو برا کہے یا سمجھے وہ خود گنہگار ہو گا۔ پس اگر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اگر وہ پہلے اپنی تقریر میں کہہ۔ تو کیا برا کیا۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں جیسا کہ علمائے اہل سنت اہل ہنود کے بزرگوں کو بہتر اور اچھا جانتے ہیں۔
جو کچھ میں نے لکھا ہے بشارت احمدی سے لکھا ہے اور اپنی طرف سے ایک حرف بھی نہیں زیادہ کیا ہے۔ بلکہ حرف بحرف اس کتاب کا لکھ دیا ہے پس اگر کسی کو کلام ہو۔ تو کتاب بشارت احمدی جناب مولانا حضرت مولوی عبدالعزیز صاحب سنی المذہب لکھنوی کی دیکھ لے۔ (الراقم سید الطاف حسین)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ سیالکوٹ میں

جیسا کہ الحکم کی گذشتہ اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا اعلیٰحضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۷ اکتوبر کی صبح کو ۸ بجے کے قریب دارالامان سے روانہ ہو کر اسی دن شام کو سیالکوٹ پہنچ گئے۔ راستہ میں مختلف سٹیشنوں پر اعلیٰحضرت کی زیارت اور شرف ملاقات کیلئے کس قدر مخلوق جمع ہوئی تھی اور آپ کا ورود شہر سیالکوٹ میں کیسا عظیم الشان اور بارونق تھا۔ یہ سب امور ایک تفصیلی تحریر کے محتاج ہیں اس لئے ان تمام امور کیلئے ہم الحکم نمبر [illegible] اور ۱۰ نومبر ۱۹۰۴ء کا تمام مقام ہو گا پورا اسی مقصد کیلئے وقف کر دیں گے اور اس کا نام سیالکوٹ نمبر اس کے مضمون کے لحاظ سے رکھیں گے۔ اس نمبر میں سفر سیالکوٹ کے کل حالات ہم انشاء اللہ درج کریں گے اور چونکہ یہ نمبر غیر معمولی دیر سے نکلا ہے اس لئے تازہ حالات اور خبریں یہاں درج کر دینی ضروری ہیں۔

۱۔ اعلیٰحضرت نے ۲ نومبر ۱۹۰۴ء کو بمقام سیالکوٹ سرائے مہاراجہ جموں و کشمیر میں ایک عظیم الشان مجمع میں اپنا لیکچر اسلام پڑھوایا جو حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے حسب معمول پڑھا۔

یہ لیکچر اپنے مضامین کے لحاظ سے بالکل نرالا لیکچر ہے۔ یہ لیکچر چھپ چکا ہے اور سیالکوٹ میں چودھری مولا بخش صاحب بھٹی احمدی سے ملتا ہے۔ قیمت صرف ۲ علاوہ محصول ڈاک ہے۔

۲۔ ۳ نومبر ۱۹۰۴ء کو ۱۰ بجے دن کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ سے روانہ ہوکر اسی دن رات کو بٹالہ پہنچے اور ۴ نومبر ۱۹۰۴ء کو قبل دوپہر دارالامان واپس رونق افروز ہوئے۔

۳۔ حضرت حجۃ اللہ کے ہمراہ حضرت حکیم الامت اور فاضل امروہی دارالامان ہی سے علاوہ ایک جماعت کے تشریف لے گئے تھے۔ فاضل سیالکوٹی پہلے سے وہاں موجود تھے یہ سب بزرگان ملت بھی حضور کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔

خادم ہے خدمتگار نہیں

الحکم کے بقایادار احباب کی خدمت میں متعدد مرتبہ التماس کر چکا ہوں کہ وہ اپنے ذمہ کے مطالبات کو جلد ادا کر دیں۔ تقاضے کے خطوط لکھے۔ اخبار میں اطلاع دی گئی وی پی بھی جاری کئے گئے اور وہ بھی ان حضرات کی سردمہری سے ایک دفعہ چھوڑ تین تین دفعہ واپس آئے۔ اور پھر بھی بعض احباب سخت دلشکن خطوط لکھتے ہیں۔ [illegible] مختصر الفاظ میں یہ عرض کر دوں کہ الحکم قوم کا خادم ضرور ہے لیکن خدمتگار نہیں [illegible] اخبار جس کی اصلاح اور قومی تحریک کے مذاق کا ثبوت ہو [illegible] کی سرداری [illegible] دین [illegible] ملک کے [illegible] جو خدا کے [illegible] قوم کے خدام [illegible]

انوار احمدیہ پریس قادیان میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی اینڈ سنز مالکان کارخانہ کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوا +

نمبر ۳۷ | دارالامان قادیان مورخہ ۳۱ - اکتوبر ۱۹۰۴ء | جلد ۸

تفسیر القرآن اور اسکی ضرورت

قرآن کریم ہی دنیا میں ایک ایسی لاانظیر اور بےکس کتاب ہے جو انسان کی ہر قسم کی ترقیات کے سہل الحصول اصول پیش کرتی ہے اور اسکی فطرتی اصلاح کی ذمہ دار ہے اس لئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے جو انسان اور اسکی فطرت کا خالق ہے پس اگر انسان اپنی روحانی۔ مجلسی۔ اخلاقی۔ اور تمدنی حالت کی اصلاح کا خواہشمند ہے تو اسکا فرض اول یہ ہونا چاہئے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیمات کی طرف عملی توجہ کرے۔

قرآن کریم کے مجرب نسخہ شفا اور ہدایتہ کامل ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ وہ عرب جو دنیا کی تاریخ میں کوئی حصہ نہ رکھتے تھے آخر ایک ایسی قوم بن گئے جو تاریخ عالم کے فخر اور سلسلہ میں سلسلۃ النبوت اور استاد مانے گئے۔ اور جنکی شاگردی پر اقوام یورپ فخر کرتی ہیں اور جنکی دماغی یادگاروں سے یورپ کی لائبریریاں قابل قدر اور لائق ناز فخر حاصل کر رہی ہیں۔ اہل عرب کی ترقیات اور ان کی حالت کے انقلاب میں قرآن کریم کی تعلیمات کا عملی اصول کام کرتا ہوا نظر آتا ہے اسوقت مسلمانوں کی جو حالت ہو رہی ہے اور جس جس طریق سے وہ گرے ہوئے ہیں اوس کے بیان کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نظر نہیں آتی خود مسلمان بالاتفاق اقرار کر چکے ہیں کہ ان کی حالت بہت ہی واجب الرحم ہو گئی ہے لیکن اس بیماری کے لئے نسخہ علاج بدقسمتی سے تقلید یورپ تجویز کیا جاتا ہے جو ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کا مصداق ثابت ہو رہا ہے پس مسلمان کی اصلاح حالت کے واسطے اسی امر کی ضرورت ہے کہ وہ

قرآن کریم کیطرف عملی توجہ کریں

اور اسی امر کے لئے ضرورت ہے کہ قرآن کریم کے مضامین عالیہ اور حقایق مستقلہ کو آسان طریق پر پیش کیا جاوے اور مسلمان عملی طور پر ایک امام کے ماتحت ہوں جو خود ساختہ امام نہ ہو بلکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہو۔ سو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اسوقت خدا کا برگزیدہ خلیفۃ اللہ المہدی ہم میں موجود ہے جس کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور اسی ارادے کے لئے ہم یہ خوشخبری دینا چاہتے ہیں کہ اسی غرض کو مدنظر رکھکر موجودہ زمانہ کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک صحبت میں رہ کر اور حضرت حکیم الامت مولانا مولوی نور الدین صاحب کے وسیع درس قرآن مجید سے حصہ لیکر ایک تفسیر القرآن مرتب کرنیکا عزم کیا ہے اور خدا تعالےٰ کے فضل و توفیق سے توقع ہے کہ اگر ہمارے ہاتھ سے یہ خدمت قرآن کریم کی ہو جاوے تو ہماری سعادت اور نجات کے لئے یہ قابل ناز اور رشک بخش ذریعہ ہوگا۔ اسی کے فضل و کرم سے ہم نے اس تفسیر القرآن کا پہلا پارہ شایع کیا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ وہ عام طور پر قبول ہوا۔ اور اسے مفید قرار دیا گیا۔ اور پھر خدا تعالےٰ کا لاانتہا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دوسرا پارہ مرتب کر کے شایع کرنے کے قابل بنایا اور ہماری زندگی ہی میں دوسرا پارہ بھی شایع ہو گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس پارہ کے مضامین کے ایک رکوع کی فہرست ہم ذیل میں دیتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ترتیب مضامین اور حقایق قرآن کریم کے اظہار میں کہاں تک سعی کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی تفسیر کا شایع کرنا اور اس کا ترجمہ کرنا نہایت مشکل امر ہے چنانچہ جو لوگ اس تفسیر کو پڑھیں گے وہ معلوم کر لیں گے کہ تفسیر مرتب کرنے کو کس قدر وسعت نظر اور حافظہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ حضرت حکیم الامۃ تفسیر کے مسودوں کی اصلاح کرتے کرتے بڑھا فرماتے رہتے کہ یہ بہت ہی محنت کا کام ہے۔ تاہم ہم کسی اپنی خوبی یا قابلیت پر ناز نہیں کرتے بلکہ خدا تعالےٰ کے اس فضل پر ناز کرتے ہیں جو اوس نے ہمیں اس عظیم الشان خدمت کی توفیق دی۔ ہم نے یہ مضمون اس غرض سے لکھنا چاہا تھا کہ قوم کو اسکی ضرورت پر توجہ دلاکر آخر میں اس امر پر متوجہ کیا جاوے کہ وہ اپنی ممکنہ قوت سے ہمیں اس قابل بنانے کی فکر کرے کہ ہمیں اسکی اشاعت میں جو مالی مشکلات پیش آتی ہیں اون سے نجات ملے اور یہ کام بلا خوف جہاز تک اسباب پر منحصر ہے ہوتا چلا جاوے۔ لیکن اس خیال تک پہنچکر ہمیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس تحریک کو یہاں ہی چھوڑ دیا جاوے اور خدا تعالےٰ ہی کے فضل پر کامل بھروسہ کیا جاوے وہ خدا جس نے اس خدمت کے کرنے کی توفیق دی۔ کہ اسکو مرتب کریں وہی خدا جو اپنے کلام کا حافظ و ناصر ہے جس نے اسکی حفاظت کے لئے اپنا برگزیدہ بندہ نازل کیا ہے۔ وہ خدا جس نے اس زمانہ میں اشاعت کے اسباب کو عام کیا ہے۔

خود ان لوگوں کو متوجہ کریگا۔ جو اس کے پاک کلام سے عشق اور محبت رکھتے ہیں۔ اور جو اسکی اشاعت کے آرزومند ہیں۔ اسلئے اس کی ذرہ نوازی کو دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ اپنے بندوں کے دل میں اس امر کو القا کرتا ہے اب ہم اتنا لکھکر کہ دوسرے سپارہ کے ایک رکوع کے مضامین کی فہرست دیتے ہیں کہ آئندہ جہانتک ہم سے ممکن ہوگا ہم انشاء اللہ العزیز خدا کے فضل و کرم سے تفسیر القرآن کو ماہ بماہ شایع کرتے رہیں گے۔ جو اسی تیسرے نمبر کے ۲۲×۲۰ کی تقطیع کے ۸۸ صفحہ ماہوار ہر مہینہ کی آخری تاریخ شایع ہوا کرے گی اور اسی سلسلہ کا پہلا نمبر انشاء اللہ العزیز نومبر میں شایع ہو جائیگا سالانہ قیمت تین روپیہ

جنگ کی مخالفت

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

مگر میں اس آرٹیکل میں وہ سب کچھ ایزاد کرونگا جس سے اسکی تائید ہوتی ہے - تو یہ کبھی ختم نہیں ہوگا - کل جاپانی جنگی جہازوں کے غرقاب ہونے کی خبر آئی - اس لئے روسی سرکلوں میں ہوائے وبرز کہلاتے ہیں - گھی کے چراغ جلائے گئے اور ایک ہزار جاپانیوں کی تباہی پر مارے خوشی کے جامون سے باہر ہوگئے - اور آج میرے پاس ایک غریب ملاح نے حسب ذیل خط بھیجا ہے :-

معزز و مقتدر لیوف نکلوچ! میں صدق دل اور محبت سے ادب بجا لاتا ہوں -

میں نے آپکی کتاب کو پڑھا ہے - اسکے مطالعہ سے نہایت مسرت حاصل ہوئی ہے - میں آپ کی تحریروں کو پڑھنے کا از حد مشتاق ہوں - لیوف نکلوچ اب ہم جنگ میں مصروف ہیں - براہ عنایت مجھے تحریر کیجئے کہ ہمارے کمان افسر ہمیں دشمنوں کو قتل کرنے کے واسطے مجبور کرتے ہیں - یہ خدا کی نظر میں پسندیدہ ہے یا نہیں - لیوف نکلوچ میں آپکی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ براہ عنایت مجھے لکھیں کہ آیا اب سچائی روئے زمین پر ہے یا نہیں - گرجا میں دعائیں پڑھکر سنائی جاتی ہیں اور پادری سچ سے پیار کرنے والی فوج کو مخاطب کرتے ہیں! کیا خدا کا حکم ہے کہ جنگ سے پیار کرنا صحیح ہے یا نہیں! لیوف نکلوچ! آپ کے پاس کوئی کتاب ہے جس سے میں دیکھوں کہ آیا سچائی روئے زمین پر ہے یا نہیں - اس قسم کی کتب مجھے بھیجئے ان کی جو کچھ قیمت ہو میں ادا کرونگا - لیوف نکلوچ میری عرض کو نظر انداز نہ کیجئے - اگر اس بارہ میں کوئی کتب نہوں تو امور مستفسرہ کا بذریعہ چٹھی جواب دیجئے جب آپکی چٹھی میرے پاس ہوگی تو میں نہایت خوش ہونگا - ورنہ اس کے آنے تک بیقرار رہونگا - فی الحال آپ سے رخصت ہوتا ہوں میں زندہ اور بخیریت ہوں - اور آپ کی خیر و عافیت کے واسطے بدرگاہ الٰہی دعا کرتا ہوں - آپکی صحت اچھی رہے اور آپ کی خیر و عافیت کیواسطے بدرگاہ الٰہی دعا کرتا ہوں - آپکی صحت اچھی رہے اور آپ اپنی کوششوں میں فائز بمرام ہوں"

اس کے بعد پتہ درج ہے -

افسوس میں اس پیارے سنجیدہ اور واقعی نیک شخص کو براہ راست جواب نہیں دیسکتا - کیونکہ یہ پورٹ آرتھر میں ہے - جہاں خطوط یا پیغام تار نہیں جا سکتے - تاہم ہمنے اسمیں سہل ورسائل کا ذریعہ قائم کر رکھا ہے - اس کے معنے یہ ہیں کہ خدا جس پر ہم دونوں کا ایمان اور جس کی بابت ہم دونوں جانتے ہیں - یہ جنگ اسکی مرضی کے مطابق نہیں - جو شک اسکی روح میں پیدا ہوا ہے - ہرگز حل ہی ہے اور یہ شک تب ہزارہا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے - جو صرف روسی یا جاپانی ہی نہیں - بلکہ ان تمام بدبخت لوگوں کے دلوں میں ہی جو انسانی ذات کے نہایت ہی خلاف کام کرنے کو مجبور کئے گئے ہیں -

جس بیقتا طبیعتی طاقت سے لوگ احمق بنائے گئے ہیں اور اب بھی گورنمنٹ انہیں جس طرح بنا رہی ہے - یہ طاقت جلد صلب ہو جائیگی - کیونکہ اس کی تاثیر زیادہ تر کمزور ہونے لگیگی - اور یہ شک کہ آیا ہماری کمانڈروں کا ہمیں ہلاکت کیواسطے مجبور کرنا خدا کو منظور ہے یا نہیں زیادہ تر مضبوط ہو چلا ہے - اور یہ کسیطرح رک نہیں سکتا - بلکہ زیادہ تر وسیع ہوتا جاتا ہے -

پس یہی چنگاری ہے جو جیسے سچ نے زمین پر لگائی اور اب پھیلتی جاتی ہے - اس سے واقف ہونے اور اس کو محسوس کرنے سے ہمیں راحت حاصل ہوتی ہے - +

دستخط
بنا یا بولینا — لیو ٹالسٹائی
۱۸ مئی سنہ ۱۹۰۴ع

ریمارک

ذیل کی کتابیں بغرض ریمارک ہمارے پاس آئی ہیں ہم سرسری طور پر انکو دیکھ سکے ہیں اسلئے سرسری طور پر جو رائے انکے متعلق ہے ہم اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں -

زبانی حساب (لوئر پرائمری کو پڑھانے کیلئے) یہ مختصر سا سو صفحہ کا رسالہ اچھے کاغذ پر ہمارے محترم دوست شیخ احمد حسین فرید آبادی مالک و منیجر رفیق ایجنسی تعلقہ مقیم چودھویں صدی راولپنڈی نے چھپوایا ہے اور اسے سید الطاف حسین صاحب کاظم فرید آبادی (جو کہ اس وقت نواب صاحب لوہارو کے صاحبزادہ کے اتالیق رہ چکے ہیں) نے مرتب کیا ہے - لائق مرتب نے تیسری جماعت کے طالبعلموں تک کے لئے ہماری رائے میں زبانی حساب کا ایک مفید کورس بنا دیا ہے - اگر مدرسین نے انکو کثرت سے رواج دیا تو کچھ تعجب نہیں کہ اس سلسلہ میں وہ اور بھی مفید کام کرسکیں - قیمت فی جلد ۹ پائی ہے منرجہ ذیل پتہ پر منیجر رفیق ایجنسی سے ملیگا -

جنگ روس و جاپان حصہ اول:- سولائیٹی میں دستور ہے کہ پبلشر پبلک کو تازہ لٹریچر بہم پہنچانے میں جی کوشش کرتے ہیں اور یہی ان کی کامیابی کے لئے بڑا بھاری ذریعہ ہے - اسی قسم کی ایک مخلص کوشش مراد آباد کے نیر اعظم پریس نے کی ہے جسنے **جاپان اور روس** کی لڑائی پر ایک مختصر سا مگر جامع رسالہ شائع کیا ہے - جو حالات جنگ کے شائقین کے لئے اپنے پاس رکھنا ضروری ہے اسمیں چودہ باب ہیں (۱) فرہنگ جنگ - (۲) جنگی جہازوں کے اقسام (۳) روس اور جاپان کے وسائل کا موازنہ (۴) جنگ اور اسکی مصیبتیں - (۵) جاپان کا اعلان جنگ (۶) جاپان کے ارکان سلطنت (۷) جنگ اور ہندوستانی اخبارات (۸) اسباب جنگ (۹) بانی جنگ - (۱۰) جنگ اور زار روس (۱۱) پہلا گولہ (۱۲) حملہ پورٹ آرتھر - جنگی (۱۳) جاپانی کوریا میں (۱۴) روسی بربادی (۱۴) روسیوں کی بربادی کے

تردید قابل تردید

سراج الاخبار مطبوعہ ۱۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک مضمون بعنوان خاتمہ مقدمات گوردا سپور جو کسی "وہی گوردا سپوری" کی طرف سے چھپا گیا ہے مضمون کے پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ ابھی تک اسکی درشت کلامی کا سلسلہ بند نہیں ہوتا گو نامہ نگار نے خود ہی اپنے قلم سے اپنے مضمون کی تردید کردی ہے مگر افسوس کہ کما حقہ اظہار نہیں کیا گیا - جس حالت میں وہ یہ لکھتا ہے (ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران خدا گذرے ہیں لیکن کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ کبھی پیغمبر یا کسی اور بزرگ کو انسانی عدالت سے سزا زمانی (جرمانہ) ملی ہو - ہاں قید ہوئے تازیانے لگے اور طرح طرح کی تکالیف ملی انہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ خدا کے مخلص بندوں خصوصاً انبیاء کرام کے پاس مال و متاع دنیاوی کا ذخیرہ نہیں ہوا کرتا - اور متاع الدنیا کے وہ طالب نہیں ہوتے - الدنیا جیفة وطالبہا کلاب ہے اور اس کا اس پر ایمان ہی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہی گوردا سپوری نے کیوں ناحق خامہ فرسائی کرکے اپنے ہی ہاتھوں لزوم بنتا جاتا ہے - قبل اس کے کہ مذکورہ بالا حوالہ کی تشریح کیجاوے اس بات کا بھی بتا دینا ضروری ہے - کہ الہامات مندرجہ مضمون پر اگر ایک وسیع نظر ڈالی جاوے تو مولوی کرم الدین کی ہی شکست نظر آتی ہے - کیا جس جرم (جو خود کردہ را علاجے نیست کا مصداق ہے) کو مولوی صاحب عمداً چھپانا چاہتے تھے باوجود دلائل وغیرہ وغیرہ پیش کرنے کے آخر ان کو اس کا مرتکب نہیں ٹھہرایا ؟ اور مضمون مندرجہ سراج الاخبار مولوی کرم الدین کا واقعی قرار نہیں دیا گیا ؟ یا سیف چشتیائی میں محمد حسن متوفی کے نوٹوں کا سرقہ نہیں دکھایا گیا ؟ - اور یہی ہمیں مطلوب تھا -

کج تم رو یا کرو پیار کرو کیا فایدہ
بات جو ہونی تھی کل حضرت سلامت ہوچکی

بھلا اگر مولوی کرم الدین کسی جرم کے مرتکب قرار نہیں دیئے گئے تو ایڈیٹر الحکم کی طرف سے جو مقدمہ مولوی صاحب پر دائر تھا اس کے فیصلہ پر پچاس روپے جرمانہ (یا بوجہ عدم ادائیگی جرمانہ دو ماہ قید) کس جرم کا خمیازہ اٹھایا - اگر مولوی صاحب کے نزدیک بھی کسی جرم کی سزا نہیں تو وہ تکرار کس بات کی کرنا چاہتے ہیں - آخر مولوی صاحب کو بھی اتباع سنت الانبیاء کا دعوے ہوگا ہی پھر چاہئے تو یہ تھا کہ مولوی صاحب بجائے پچاس روپے جرمانہ ادا کرنے کے دو ماہ قید ہی منظور کر لیتے جس سے ایک پنتھ دو کاج والی مثل صادق آ جاتی یعنے ایک تو بقول نامہ نگار صاحب مال و متاع نہ رکھنے کی وجہ سے مخلص بندوں میں شمار کئے جاتے دوسرا چونکہ اونکو سنی المذہب ہونے کا فخر ہے اسلئے اگر وہ دو ماہ قید اختیار کر لیتے تو مولوی صاحب سنت الانبیاء کے پورے پورے متبع سمجھے جاتے اور ان کے ایسے اتباع کی تمیز و نمایاں ہو جاتی بات تو بنی بنائی تھی مگر افسوس کہ نامہ نگار صاحب رائے دینے سے چوک گئے -

واہ میاں بھولے بھالے نامہ نگار آپنے صدق اور کذب کا ایک ایسا معیار ایجاد کیا ہے جو کسی پہلو سے ٹھیک نہیں پڑتا - بلکہ اس سے تو بقول آپکے کسی کی بھی سچائی ثابت نہیں ہوتی جب آپ سزا اون کا مخالف ہونا مانتے ہیں تو حضرت اقدس پر جو پانچسو روپیہ جرمانہ ہوا ہے کیا وہ مخالفات سے نہیں - گویا آپکے نزدیک اختلاف سزا بھی ایک ایسی بات ہے جس سے آپ اون کو صادق نہیں سمجھتے جب یہ ہے تو پھر آپ یہ کسطرح مانتے ہیں کہ خدا کے مخلص بندوں اور آپ دین کو جو اپنے وقت کے مخالفین اور جہلا سے اذیتیں اٹھانی پڑتی تھیں وہ سب ایک ہی رنگ کی تھیں - نہیں ہرگز نہیں میں آپکی خیر خواہی کیلئے آئندہ نصیحت کرتا ہوں ایسے معیار ایجاد کرنے چھوڑ دیں کیونکہ خدا کے پاس رسولوں کی بعثت اور صداقت کے لئے خدا کا پاک کلام ہی کافی ہے - اب میں اقتباس مندرجہ صدر پر کسی قدر اور بھی ریمارک کرنا چاہتا ہوں شکر ہے کہ نامہ نگار نے اپنی مضمون میں اتنا تو مان لیا ہے کہ جسقدر انبیاء اور بزرگ گذر چکے ہیں اون کو قید تازیانے اور دیگر کسی طرح طرح کی بدنی سزائیں اٹھانی پڑیں (دہان) مالی سزا نہیں ملی اسکی وجہ نامہ نگار صاحب خود ہی لکھتے ہیں کہ ان کے پاس مال و متاع دنیاوی کا ذخیرہ نہیں ہوا کرتا" نامہ نگار صاحب کا یہ لکھنا قرآن مجید کے صریح خلاف ہے بمالکہ آیت و لنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات میں دوسرے ہر ایک ابتلاؤں کے علاوہ مالی ابتلا بھی بیان کرکے صبر اور اس کے ثمر شیرین کی بشارت دیگئی ہے - بالفرض اگر نامہ نگار صاحب اپنی بات میں سچے ہی ہوں تو موجودہ قانون کی رو سے انکو اپنی صریح غلطی کا اسطرح اعتراف کرنا پڑیگا کہ جو شخص مالی سزا یعنے جرمانہ ادا کرنے کا متحمل نہ ہو اوسکو جیل ضرور بھگتنی پڑیگی مثلاً ایک شخص مجرم قرار دیا جا چکا ہو اور وہ دنیاوی مال و متاع نہ رکھنے کی وجہ سے پچاس روپیہ تک کی بھی مالی سزا کا متحمل نہ ہو سکتا ہو تو کیا وہ دو ماہ تک جیل خانہ میں نہیں رکھا جائیگا تاکہ عملی طور پر اس کو معلوم ہو جائے کہ واقعی مخلص بندوں کو جو مال و متاع نہ رکھتے ہوں سزائے قید ہی اٹھانی پڑتی ہے - باقی الدنیا جیفة وطالبہا کلاب پر جو ریمارک ہوسکتا ہے وہ اپنے موقع پر ہوگا - اسمیں بڑی وضاحت سے بتایا جائیگا کہ اصل میں اس کا مصداق کون ہے -

الراقم
ایک احمدی نکتہ رس

یہ کتاب ۷۰ صفحہ پر ۱۸×۲۳ کے دبیز کاغذ پر چھاپی ہے اور شائقین حالات جنگ کے لئے مفید ہے قیمت فی جلد ۸ ر نیر اعظم پریس مراد آباد سے مل سکتی ہے -) (مظہر العجائب اور الکاشف اور سیاحت فتح ماڑی ...

تحقیقات مسئلہ عزاداری حسین

(سلسلہ کیلئے دیکھو الحکم مورخہ ۲۴ ؍ اکتوبر ۱۹۰۹ء)

چونکہ اصول مقرر کردہ مولوی ابو القاسم صاحب لاہوری معلوم شد حالا قدرے از اقوال قدما و متاخرین علماء اہل تشیع نیز از برائے شما بیان مے کنیم تا معلوم شود کہ احادیث و اخبار فضائل حسین و عزاداری حسین و بکا و شبیہ سازی را محدثین شان بچہ عنوان مسلم داشتہ اند۔ و بوجوہ۔ الحدیث الحسن فی بیان مورد جواز التسامح فی ادلة السنن۔ مخفی نماند کہ تسامح فی ادلة السنن مشہور بلکہ اشہر و مجمع علیہ درمیان علماء اہل تشیع است۔ اول اینکہ تسامح چہ معنے دارد و علماء محدثین در اخبار و احادیثے کہ از برائے امورات علت و حرمت دارد از تفحص و تنقید رواة مے کنند کہ عدول و ثقہ ہستند یا نہ و اصل روایت متصل السند است یا مقطوع و یا خبر دیگر معارض دارد یا نہ بوں۔ ایچنین تحقیقات بنہایت وقت دارد و ازین جہت در امورات سنونہ و مندوبہ و مستحبہ ازین تحقیقات قطع نظر کردہ عمل مے کنند بر جملہ روایات ضعیفہ و مرسلہ باوجود معارضات کثیرہ۔ اینست معنی تسامح فی ادلة السنن۔ چنانچہ سید فتاح در عناوین الاصول بحوالہ علامة الحلی و مولانا سید ابراہیم قزوینی در ضوابط الاصول دعوئے اظہار اجماع برین فرمودہ و در فصول مرویہ مسطور است

قد تداول بین اصحابنا التسامح فی ادلة السنن والمکروھات باثباتھما بالروایة الضعیفة الغیر المجبرة وحمل الاخبار للوجوب والتحریم علی الاستحباب والکراھة عند ضعف السند وعدم الجابر

و شیخ بہاء الدین در زبدہ گفتہ۔ قد شاع العمل بخبر الضعاف فی السنن والمکروھات وان اشتد ضعفا ولم ینجبر۔ و صاحب مناہج الاصول در دلیل رابع گفتہ کہ اگر روایات ضعیفہ معارض روایات اقوی باشد ہم بر روایات ضعیفہ عمل خواہیم کرد و مجلسے در زاد المعاد چنین مے سراید (عادت علماء خاصہ و عامہ بر آنست کہ در مستحبات باحادیث ضعیفہ متمسک شوند) و مولانا محمد تقی در حاشیہ معالم الاصول فرمودہ چونکہ عمل بتسامح در متاخرین امامیہ جاریست در قدماء علماء نیز جاری بود کہ ایشان اکتفا مے کردند بآن روایت ہائے ضعیفہ در نماز ہائے مستحبہ و در دعا ہائے مستحبہ و در صیام مندوبہ بلکہ در اکثر و اغلب مستحبات را ملاحظہ کردہ اند و نقرا از علماء و محدثین امامیہ با نامی علماء خود یعنی شیخ صدوق ابن قید کہ استاد او است و ایشان فرمودہ اند کہ بیان احادیث در مستحبات و سنن مفید اند کہ بقاعدہ رعایت و مجربات متوزع آنہا کردہ اند یعنی قاعدہ کہ از برائے تنقید روایات واجبہ و محرمہ علماء محدثین قرار دادہ اند باید کہ در احادیث مستحبہ و مندوبہ نیز ہمان قاعدہ مرعی داشتہ آید بے انصافے ہمین است کہ گفتہ اند الا غیرہ۔ و علماء بجائے قاعدہ تسامح بر اخبار احاد است کہ اجتہاد و از آن احادیث این قاعدہ قطعی قرار دادہ اند۔

در حدیث ہشام ابن سالم از جعفر صادق آوردہ اند۔ من بلغہ شیٔ من الثواب علی شیٔ من الخیر فعملہ کان لہ اجر ذالک وان کان رسول اللہ لم یقلہ۔ یعنی اگر کسے در خبرے بیاید کہ بعمل کردن فلان کار ثواب بدست مے آید و آن کار بکند ثواب بر داده خواہد شد اگرچہ رسول اللہ صلعم نگفتہ باشد قدرے تدبر کن در آیہ (وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا)

حدیث دیگر ایراد کردہ اند از جعفر صادق علیہ السلام من سمع شیأ من الثواب علی شیٔ فصنعہ کان لہ اجرہ وان لم یکن علی ما بلغہ و مکلین مکان اعلی اللہ مقامہ۔ در مقدمات مجالس عقیدہ ذاکرین و واعظین با اجازت داده کہ در مصائب سید الشہداء روایات ضعیفہ و شاذہ و معارضہ بخوانند و شبیہ اول در ذکری فرمودہ۔ واحادیث الفضائل یتسامح فیھا عند اھل العلم و شبیہ ثانی گفتہ جواز اکثر العمل بالخبر الضعیف فی نحو القصص والمواعظ وفضائل الاعمال الخ در روایات دیگر نوشتہ است۔ من ذکر مصائبنا و بکی لما ارتکب منا کان معنا فی درجاتنا یوم القیامة۔ ہمچنین شیخ مفید و مقدس اردبیلی در کتب خویش روایاتے ذکر کردہ اند کہ سند در سلسلہ روایت شان ابو مخنف و کلبی و مدائنی ہم ہستند و مجلسے گفتہ است کہ در کتب خویش از دیگر کتابہائے بسیار سند آوردہ ام اگرچہ بر آن کتابہا وثوق و اعتماد کلی نداشتم و در طریق تاسی علماء خود کردہ ام تا موجب ثواب باشد۔ الغرض ابقدر اقوال علماء ایشان از برائے محقق بصیر کافیست واضح است کہ اگر کسے مادہ حق شناسی داشتہ باشد ازین روایات و اقوال علماء بحقیقت خواہد برد و معلوم او خواہد شد کہ دار و مدار فضائل حسینی و عزاداری و شبیہ سازی و تکیہ داری بر ہمچنین روایات شاذہ و ضعیفہ و معارضہ منحصر است کہ علماء امامیہ بقاعدہ تسامح از تحقیق و تنقید روایات اغماض کردہ ہمہ روایات را باوجود بیہودگی تمام کہ در آن روایت ہائے مذکور است مسلم داشتہ حالا قدرے از فتوے مجتہد لکھنؤ ہیچ نیز نوشتہ مے شود کہ در جواب سوالہائے ما فرمودہ اند۔

سوال (۱) در خبر است کہ بعد از شہادت حسین علیہ السلام حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم در مقتل حسین تشریف آوردہ بودند و انگشتری انگشت خنصر یا انگشت چہارم خود لعنہ اللہ عالم برائے حسین آوردہ بودند۔ ہمچنین در اخبار دیگر وارد است کہ حضرت ام کلثوم در کوفہ فرمودہ ان الصدقة علینا حرام۔ ہمچنین اخبار متعددہ در کدام قسم اخبار داخل اند و بکدام دلائل با ہمچنین اخبار حکم صدق یا کذب کردہ خواہد شد۔

جواب (۱) این قاعدہ کلیہ است الخبر یحتمل الصدق والکذب۔ و خبر قطعی ہرگز نخواہد بود مگر خبرے کہ متواتر یا محفوف بقرائن باشد و تفصیل این مشہور است بمطالعہ کتب اصول خلاصہ این کہ در ما نحن فیہ جزئی کہ میان علماء و شیعہ مشہور باشد آن خبر مظنون الصدق است و خبرے کہ مخالف مشہور و معارض او باشد آن مظنون الکذب است و خبرے کہ غیر مشہور است با عدم تعارض آن مشکوک است (میر آغا مجتہد لکھنؤ اخبار امامیہ لکھنؤ مورخہ ۵ جولائی ۱۹۰۸ء)

جواب سوال دوم۔ در موجود بودن حضرت شہربانو ہمراہ کربلا و در حالات شان روایات مختلف وارد شدہ کہ علم قطعی بیکے از نہا دشوار است۔ (میر آغا صاحب مجتہد لکھنؤ در اخبار مطبوعہ ۵ ستمبر ۱۹۰۸ء)

جواب سوال سوم۔ از بعضے روایات مستفاد مے شود کہ یکے از دختران حضرت حسین در آن قید خانہ وفات یافتند و از روایات دیگر مستفاد مے شود کہ آن دختر غیر حضرت سکینہ بود۔ واللہ اعلم (اخبار لکھنؤ فتوے میر آغا صاحب اخبار مطبوعہ ۵ ستمبر ۱۹۰۸ء)

القصہ اینست اقوال علماء خود شان کہ در تعیین واقعہ مرجحہ بدون اینکہ صحت و غیر تحقیق در امتحان آید خود شما ازاینقدر مشکلات در پیش است کہ امر واقعہ را تعیین کردہ نتوانند تا بدیگران چہ رسید پس ثابت شدہ است کہ بدار و مدار ہمچنین روایات و اخبار مختلفہ متعارضہ کہ کمتر از مضحکہ صبیان نیست مصائب حسین و تکیہ داری و مرثیہ خوانی را مستحب و مکروہ قرار دادہ کلیہ ثواب بر وے تمام کنیم یادگار این را ہمیشہ مے فہمیدم و از زبان شما کہ حضرت اقدس شنیدم کہ حضرت شہربانو ہمراہ سید الشہداء در کربلا بود بعد از قتل امام رو بسوئے ایران و بر ذوالجناح سوار گشتہ در غار رے وفات یافت و واقعہ حضرت سکینہ چنین مے خوانند کہ در خرابہ شام وفات یافتہ است پس بر محقق بصیر ظاہر است کہ اگر روایات دروغ و کذب و بروسا کہ وشتہ بخوانند گریہ ہم بکنیم یا دیگران را بگریانیم چہ ثواب دارد و اینکہ دروغ گفتن یا خواندن یا براہ ماتمے دروغ بستن گناہ است بلکہ موجب وبال و نکال آخرت مے خوریم تعجب است با ہمچنین ثواب کہ اصل واقعہ ہم درست ندانیم و محقق تمیز مشکوک است از حیرت اندر استادہ ہم ثواب مے دانند۔ آخر نکتہ یا دکر و کہ مجتہد شما مسکوت در موجود بودن حضرت شہربانو در کربلا اختلاف است و ہیچ یک روایت علم قطعی حاصل نمے شود پس فرضا اگر ذاکری بخواند کہ حضرت شہربانو بعد از قتل حسین چنین و چنان شد و در غار وفات یافت و مصائب بسیار در صحرا دید و مردم ہمہ واقعات را شنیدہ گریہ کنند چہ ثواب دارد و چون معلوم نیست کہ واقعات بر حضرت شہربانو این واقعات گذشتہ اند پس باتباع وہم و گمان لابے معنی ہائے بر سر زنیم و نوحہ بروے زلیم آخر عقیل سے تجویز کند کہ یک واقعہ فرضی و مشتبہ را صحیح پنداشتہ بر وے اعتقاد آریم (ان ھذا لشیٔ عجیب) باقی آئندہ

خاکسار نذر علی احمدی سابق شیعہ۔

مرزا صاحب نے کوئی نئی بات نہیں کی

مندرجہ بالا عنوان سے پیسہ اخبار میں ایک حق پسند بزرگ سید الطاف حسین صاحب نام کا لکھا ہے جسے ہم بجنسہ درج کرتے ہیں (ایڈیٹر) مرزا صاحب نے بتاریخ ۳ ستمبر کو شہر لاہور میں جو تقریر کی ہے۔ اور اسمیں ذکر راجہ رام چندر اور کرشن جی کے بارے میں کیا ہے وہ کسی طرح سے قابل اعتراض نہیں۔ بڑے بڑے علمائے اہل سنت و جماعت کے راجہ رام چندر کو کرشن جی و مہادیو کو اوتار ہی جانتے ہیں پس مرزا صاحب نے اگر ان کو خدا کے راست باز اور سچا تعلق رکھنے والا کہا۔ تو کوئی نئی بات نہیں کی جناب مولوی عبدالعزیز صاحب لکھنوی کی کتاب بشارت احمدی ملاحظہ ہو۔ جو کہ انہوں نے اہل ہنود کے رد میں لکھی ہے۔ اور اسی کتاب کی کچھ عبارت لکھی جاتی ہے۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جاوے کہ یہ میرا دعوے زبانی نہیں ہے۔ کتاب بشارت احمدی کی اصل عبارت معہ صفحہ کے حوالے کے لکھی جاتی ہے۔ صفحہ ۱۵ میں جناب مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اب یہ رسالہ اس بیان میں لکھا جاتا ہے کہ حضرت آدم جو سب آدمیوں کے باپ ہیں۔ اور اللہ کے نبی ہیں۔ ان کے پیدا ہونے سے پہلے زمین میں جن بستے تھے۔ جنوں میں مہادیو بڑے بزرگ تھے۔ اور اللہ کے پہچاننے والے انہوں نے بھی ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں دی ہیں۔ اور آپ کی بڑی بڑی تعریفیں کی ہیں اور آپ کے دونوں نواسوں امام حسن و امام حسین علیہ السلام کی بڑی بڑی تعریفیں کر کے جناب امام حسین کے شہید ہونے کی خبر دی ہے۔ اور وہ کتاب ہندوؤں کے پاس ہے۔

صفحہ ۱۶ میں جناب مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جسطرح حضرت عیسے کے بعد نصاریٰ نے تحریف کی۔ اور ان کی راہ پر نہ رہے اور جسطرح یہودی لوگ حضرت موسٰے کا نام لیتے ہیں۔ مگر ان کی راہ پر نہیں۔ اور سب پیغمبروں پر ایمان نہیں لاتے ہیں۔ اسیطرح ہندوؤں کا بھی حال یہ ہے۔ کہ جن بزرگوں کا نام لیتے ہیں۔ وہ لوگ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے۔ اللہ کو پہچانتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں دیتے تھے۔ کیا تعجب کہ وہ پیغمبر ہوں یا ولی ہوں۔ نادان لوگ ان کا نام لیکر بے تحاشا برا کہتے ہیں۔ اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جیسے یہ ہندو بے ایمان ہیں۔ اللہ کا شریک اوروں کو جانتے ہیں پیغمبروں کو نہیں مانتے ہیں۔ ویسے یہ بھی ہوں گے۔ یہ گمان ان مسلمانوں کا بالکل غلط ہے۔ پھر صفحات میں جناب مولانا صاحب تحریر

مع محصول ڈاک ہوگی جو صاحب لینا چاہیں وہ اپنی درخواست معہ رقم یا باجازت وی پی بھیجیں۔ اور کے مواہم خوشی سے ظاہر کرتے ہیں کہ کسی درخواست بالتفات نہ رکھیں گے اور اسی سلسلہ تا سورہ نمبر جو لوگ پہلے سے خریدار ہیں اور دو نمبر اون کو پہنچ چکے ہیں تیسرے نمبر اونکو قیمت طلب بھیجا جائیگا۔ اگر وہ تحریری اطلاع سے بند نکر دیں گے جن کی قیمت وصول ہو چکی ہے، اوس کی بہ عذر تیسرے نمبر میں شائع کردی جاویگی۔ تیسرے نمبر کی تقطیع خاص مجبوری کی وجہ سے بدلدی گئی ہے اور آیندہ انشاء اللہ یہی تیسرے نمبر والی تقطیع مستقل رہیگی دوسرے پارہ کی قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک ہے۔

فہرست مضامین رکوع اول پارہ دوم

(۱) رکوع کا تمام فہم خلاصہ (۲) دس عظیم الشان اور اہم مطالب جو اس رکوع میں بیان ہوئے (۳) اس رکوع کے حسن مضامین کی تمہید (۴) صحف سابقہ میں بیت اللہ کی بشارات (۵) ہمارے مخالف مذہب کے طبیکہ دار غور کریں (۶) ایک ضمنی بات اسی کی تائید میں (۷) بیت اہل مکہ والوں کی قومی عبادت کا (۸) امتیاز بین المومنین والمنافقین (۹) مدینہ میں تحویل قبلہ کی پہلی وجہہ (۱۰) تحویل قبلہ میں ایک رو ختم نبوت کی طرف ایما (۱۱) تحویل قبلہ میں تیسری وجہ (۱۲) جہت یا قبلہ کی ضرورت (۱۳) ہر قوم اور مذہب کو اپنا ایک ہی قبلہ بنانا پڑتا ہے (۱۴) دنیا میں مختلف قبلہ قوموں کے موجود ہیں (۱۵) قبلہ اسلام کل اطراف پر حاوی ہے (۱۶) یقین قبلہ پر اعتراض اور اون جواب (۱۷) شرک کیا ہے (۱۸) شرک کیونکر پیدا ہوتا ہے (۱۹) تحویل قبلہ پر اعتراضوں کا پہلا جواب (۲۰) نماز میں توحید کے لطیفہ (۲۱) پہلا دوسرا۔ تیسرا۔ چوتھا۔ پانچواں لطیفہ (۲۲) نکتہ (۲۳) قل للہ المشرق والمغرب کے معنے۔ (۲۴) اپنا ابتلا اور خدا کے فضل سے بچنا۔ (۲۵) تیسرا جواب۔ (۲۶) یقین کعبہ میں بعض اسرار۔ (۲۷) بیت الحرام اور سورۃ فاتحہ کا تعلق (بالکل نیا مضمون) (۲۸) مسیح موعود کے وجود پر استدلال (۲۹) امتہ وسطا کے معنے (۳۰) سورہ فاتحہ کا تعلق اور اسپر نظر (۳۱) غلبہ اسلام کی پیشگوئی۔ (۳۲) لنعلم من یتبع الرسول پر ایک وہم اور اسکا ازالہ (۳۳) ان کانت لکبیرۃ — (۳۴) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی قبولیت (۳۵) ہر نماز کو بیت الحرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ (۳۶) فتح مکہ کی بشارت (۳۷) اہل کتاب حق کیونکر جانتے ہیں (۳۸) ولئن اتبعت اھواءھم کے معنے (۳۹) ازالہ وہم (۴۰) الحق من ربک کی لطیف تفسیر (۴۱) ...... حق کیا کرتے تھے (۴۲) مثیل موسیٰ کی بشارت تورات میں۔ (۴۳) بشارت کا پہلا حصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ (۴۴) فٹ نوٹ اس بشارت کے متمم حضرت مسیح موعود ہیں (۴۵) ایات سے شرک (۴۶) بنی قنطورا اور بنی قیدار اس بشارت کے کیوں مصداق نہیں ہیں (۴۷) یہ بشارت مسیح ابن مریم کے حق میں نہیں اسکا کامل ثبوت (۴۸) مثیل موسیٰ کی بشارت کی تکمیل (۴۹) فلا تکونن من الممترین کی تفسیر (۵۰) اس آیت پر مردہ پرست نصرانی کا اعتراض اور حضرت مسیح موعود کی طرف سے جواب (۵۱) حضرت حکیم الامت کی طرف سے جواب مندرجہ بالا عام مضامین ہیں جنکے تحت اور ضمن میں عجیب عجیب نکات اور مضامین بیان ہوئے ہیں۔ اگلی اشاعت میں انشاء اللہ دوسرے رکوع کے مضامین کی فہرست دینگے۔ یہ تفسیر ۱۶۰ بڑے صفحوں پر شائع ہوئی ہے بجز دفتر الحکم وہ تفسیر القرآن قادیان کے اور کہیں سے نہیں ملے گی قیمت عہ علاوہ محصولڈاک۔

مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے

انسان اور حیوان کا مقابلہ کرو۔ حیوان اپنی تمام ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اسکا لباس اس کے ساتھ ہوتا ہے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے۔ پنجہ ناخن ڈنک کے ہتھیار اسکے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جن غذاؤں پر اسکی زندگی ہے، وہ ہر طرف جنگل ہو یا پہاڑ۔ خشکی ہو یا دریا ویرانہ ہو یا آبادی مہیا اور تیار رہتی ہے۔ بخلاف اس کے انسان کا یہ حال ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اسکے پاس نہیں ہوتا۔ اسکی جلد نازک ہوتی ہے ہاتھ پاؤں کمزور ہوتے ہیں جسم پر کوئی لباس نہیں ہوتا دشمن سے حفاظت کے سامان نہیں ہوتے اسکے ساتھ عالم فطرت کی تمام چیزیں اسکی دشمن نظر آتی ہیں آفتاب کی گرمی بادلوں کی جھڑی لوؤں کی لپٹ جاڑوں کی ٹھنڈ ہر چیز چاہتی ہے کہ اسکو برباد کرے۔

ان مصائب کے مقابلہ کرنے کے لئے قدرت نے اوسکو کوئی ہتھیار نہیں دیا کیونکہ جن بیشمار اور پرزور دشمنوں کا اس کو سامنا کرنا تھا اوس کے لئے کوئی مادی آلہ کافی نہیں ہوسکتا تھا اسلئے قدرت نے اسکو مادی ہتھیاروں کے بدلے ایک ایسی عام قوت عطا کی جسکے ذریعہ سے اسنے اپنے ہر قسم کے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے جدا سامان تیار کئے دہوپ گرمی جاڑے سے محفوظ رہنے کے لئے ہر قسم کے لباس اور مکانات بنائے جانوروں کے مقابلہ کے لئے تیغ وخنجر تیار کئے دریاؤں پر پل باندھے پہاڑ تراشے لوہا پگھلایا۔ برق کو مسخر کیا۔ ہوا کو تھاما غرض تہوڑے عرصہ کے بعد دیکھا کہ تمام کائنات اس کے زیر اقتدار ہے۔

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے لیکن چونکہ قدرت کو منظور تہا کہ انسان کی ترقیات بلند سے بلند نقطہ پر بھی پہونچکر ٹھیرنے نہ پائیں، اسلئے وہ (یعنی قدرت) ایک دم بھی انسان کو چین نہیں لینے دیتی، وہ اوسکے مخالفوں کو نئے نئے ہتھیار دیتی جاتی ہے جس سے انسان پر نئے نئے طرح کے حملے کئے جاتے ہیں، جن بیماریوں کا علاج معلوم ہو چکا تھا، اونکے علاوہ نئے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کا جغرافیہ جسقدر دریافت ہوچکا تہا اوسکے علاوہ نئی آبادیوں کا پتہ لگتا ہے

اور وہاں نئے ضروریات پیش آتے ہیں۔ آرام وآسایش کے جو سامان مہیا ہو چکے تھے راحت طلبی کا مادہ بڑھ کر وہ سامان بیکار ہو جاتے ہیں، مجبوراً انسان ان نئے مخالفوں کے مقابلہ کے لئے نئی طیاریاں کرتا ہے، اور ترقی کی جس حد تک پہنچ چکا تہا۔ اوس سے آگے نکل جاتا ہے۔ عالم کون اور انسان کی یہ باہمی کشمکش ہی وہ چیز ہے جو انسان کے تمام ترقیوں کی جڑ ہے۔ اور جس کی بدولت آج سینکڑوں ہزاروں نئے نئے ایجادات کا سلسلہ قایم ہے اور روز بروز بڑہتا جاتا ہے۔ لیکن ان بیرونی دشمنوں اور مخالفوں سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک دشمنوں کا ایک اور گروہ ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے اوسکو ہمیشہ سخت معرکہ آرائیاں رہتی ہیں۔ طمع اسکو آمادہ کرتی ہے، کہ عزیز و بیگانہ۔ دوست و دشمن۔ ... کے تمام دولت ومال پر قبضہ کر لیا جاے۔ کینہ پروری کا تقاضا ہے کہ مخالفوں کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاوے۔ جاہ طلبی کہتی ہے کہ جب تک تمام خلق کی گردنیں جہک نہ جائیں آرام نہ لے۔ خواہش نفس مجبور کرتی ہے کہ دنیا میں کسی کا پردہ عصمت محفوظ نہ رہنے پائے ان دشمنوں سے بچانے کے لئے ایک حد تک عقل کام آتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ اگر تم کسی کی ابرو کا قصد کروگے تو وہ بہی کرے گا اگر کسی کو برباد کرنا چاہو گے تو وہ بہی چاہیگا تم دوسروں کی عزت نکروگے تو وہ بہی نکرینگے، لیکن اولاً تو اس قسم کی بیشبینی عقل خاص خاص تعلیم یافتہ اشخاص کو ہو سکتی ہے اسکے سوا بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں جہاں اس قسم کے انتقام کا مطلق اندیشہ نہیں ہوتا۔ حکومت کا خوف۔ جاسوسی کا ڈر۔ بدنامی کا احتمال۔ انتقام کا خطرہ ایک چیز بہی نہیں ہوتی ان موقعوں پر عقل ان پرزور مخالفوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، بلکہ ایک دوسری قوت ہے، جو سینہ سپر ہوتی ہے اور انسان کو ان دشمنوں کے حملے سے بچاتی ہے۔ اس قوت کا نام ایمان۔ کانشنس۔ حاسئہ اخلاقی ہے، اور یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے یہ قوت انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے عالم و جاہل۔ رذیل و شریف شاہ و گدا افریقہ کا وحشی، اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اسمیں برابر کے حصہ دار ہیں اور یہی معنی قرآن کی اس آیت کے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ —

اپنا موںہ سب طرف سے موڑ کر دین کی طرف کر یہ وہ خدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہے خدا کی خلقت میں تغیر نہیں ہوتا۔ یہی ٹھیک دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

جرمن کا ایک حکیم گسلر کہتا ہے، "مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ میں کبھی معدوم نہیں ہوسکتا"[۱] فرانس کا مشہور فاضل معلم رینان جو مذہب کا پابند نہ تہا اپنی کتاب تاریخ مذہب میں لکھتا ہے، "کہ یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیا جنکو ہم محبوب رکھتے ہیں، اور کل وہ چیزیں جو لذاید زندگی میں محسوب ہیں مٹ جائیں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہوجائے یا اوسکی قوت میں زوال آجائے، وہ ہمیشہ اسبات کا علانیہ ثبوت دیگا۔ کہ مادی مذہب (میٹریلسٹ) بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس پست خالی زندگی تک محدود رہ جائے"[۱]

پروفیسر سیتہ۔ فلسفہ وغیرہ میں لکھتا ہے "میں کیوں پابند مذہب ہوں، اسلئے کہ اسکے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا لیکن پابند مذہب ہونا میری ذاتیات میں ہے لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت، یا تربیت یا مزاج کا اثر ہے میں نے خود بہی اسی رائے پر یہی اعتراض کیا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور دل میں نہیں جاتا مذہب کی ضرورت جسقدر مجکو اپنی ذاتی زندگی کے لئے ہے اوس سے زیادہ معلوم ہوتی ہے، مذہب کے شاخ و برگ ہزاروں دفعہ کاٹ ڈالے گئے ہیں لیکن جڑ ہمیشہ قایم رہی ہے اور اس نے نئے برگ وبار پیدا کرلئے ہیں، اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہے جوکبھی زایل نہیں ہوسکتی۔ مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اسکو اور زیادہ گہرا کرتے جاتے ہیں۔ انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قایم ہوتی ہے اور اسی سے قوت پاتی ہے دنیا کی اخلاقی نظم ونسق کو اسی حاسئہ مذہبی ہی نے تہام رکہا ہے، ورنہ اگر تعلیم و تمدن پر ہوتا تو یورپ کا اخلاقی بگڑ اسی قدر تمام دنیا سے بہاری ہوگیا ہوتا جس قدر تعلیم و تمدن میں اس کا پایہ بلند ہے۔

دنیا میں افراد انسانی کے خاص خاص مختصات یعنی زبان۔ قوم رنگ۔ صورت رنگ کو حذف کر جاؤ تو جو چیزیں قدر مشترک رہ جاتی ہیں، انہیں ایک مذہب ہوگا اور یہ بہت بڑی دلیل اسبات کی ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ جن چیزوں کو ہم انسان کی فطرت خیال کرتے ہیں مثلاً اولاد کی محبت انتقام کی خواہش کمال کی قدر دانی وغیرہ وغیرہ انکے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہیں کہ تمام دنیا کے آدمیوں میں مشترک پائی جاتی ہے اس بنا پر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر قوم ہر نسل ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے اس سے بڑھکر یہ کہ مذہب کے جو مقدم اصول ہیں وہ تمام مذاہب میں یکساں پائے جاتے ہیں خدا کا وجود اوس کی پرستش کا خیال حیات بعد الموت اعمال کی جزاء و سزا رحمدلی ہمدردی صداقت کا اچھا سمجھا جانا دغا چوری کو برا جاننا، دنیا کے تمام مذہبوں کا اصل اصول ہے۔

فطرت نے افراد انسانی میں بے انتہا فرق مراتب رکہا ہے۔ دولت ومال۔ جاہ وحشم۔ فضل و کمال، ذہن و ذکا۔ کے عطا کرنے میں ایک طرف

[۱] یہ دونوں قول۔ تطبیق الدیانات الاسلامیہ صفحہ ۲۴ و ۲۵ میں مذکور ہیں ۱۲ — [۲] الحیات سال اول صفحہ ۱۵۵۔

[۱] ماخوذ از کتاب الکلام۔

تو یہ فیاضی ہے کہ اس سے زیادہ ہو نہیں سکتی۔ اسکندر و تیمور - ارسطو و افلاطون - ہومر و فردوسی اسی فیاضی کے نمونے ہیں - دوسری طرف یہ بخل ہے کہ انسان اور حیوان میں اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ خوردبین کو نظر تک نہیں آتا - با اینہمہ جو باتیں شرط زندگی اور مدار حیات ہیں وہ تمام افراد انسانی کو یکساں عطا کی ہیں - افریقہ کا جاہل سے جاہل وحشی بھی اسی طرح کھاتا پیتا - چلتا - پھرتا - سوتا - جاگتا - بولتا چالتا ہے جسطرح یونان کا بڑے سے بڑا حکیم ان ضروریات کو انجام دیتا ہے -

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا اعتقاد حقہ - جو تمام دنیا کی قوموں میں مشترک ہے لازمہ انسانی تھا - اور اسوجہ سے قدرت نے تمام قوموں کو یکساں عطا کیا، ارسطو، اور حکیم بہت سے دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ سچائی، وجود خدا، عفت، حلم، اچھی چیزیں ہیں، لیکن افریقہ کا ایک وحشی - بغیر کسی تعلیم اور تغیر کی دلیل کے خود بخود ان چیزوں کو اچھا جانتا اور اچھا سمجھتا ہے -

(الندوۃ)

مسٹر دلاور حسین اور اسلام

الحکم کی گذشتہ اشاعت میں "شناعت اعمال ما آورد ایام چنیں" کے عنوان سے ہم نے ایک نوٹ لکھا تھا اور اپنے محترم معصر ریویو آف ریلیجنز کو توجہ دلائی تھی کہ وہ اسپر نوٹس لے - الحمد للہ ہمارے محترم معصر نے اسپر ایک مضمون لکھا ہے جسکو ہم نہایت عزت سے الحکم کے کالموں میں درج کرتے ہیں - (ایڈیٹر)

گذشتہ مہینے کے اخبار آبزرور کے چند متواتر نمبروں میں مسٹر دلاور حسین احمد سابق انسپکٹر جنرل محکمہ رجسٹریشن بنگال کے قلم سے نکلا ہوا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں راقم مضمون نے اسلام جیسے پاک اور اعلےٰ اصول رکھنے والے مذہب کو ایسے خطرناک اور سخت عیوب کا متہم کیا ہے جو آجتک کسی تنقید کرنے والے کے قلم و زبان سے نہیں نکلے راقم مضمون یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کو از سر نو ترتیب دی جاوے اور مدنی سورتوں کو ناقابل عمل سمجھ کر خارج کر دیا جائے اس عجیب اصلاح کو پیش کرنے کی غرض وہ بظاہر یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے سے مسلمانوں میں سے وہ نقص اور قباحتیں دور ہو جائیں گے جو کثرت ازدواج اور طلاق اور پردہ اور قوانین وراثت وغیرہ کی وجہ سے ان میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن دراصل ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان نیکیوں کی آڑ میں وہ اور ہی شکار کھیلنا چاہتے ہیں اون کے طرز سے معلوم ہوتا ہے - کہ اون کی مجوزہ اصلاحوں کا واقعی نشانہ یہی چند امور اور مسائل نہیں اون کی دلی تمنا جو گوشہ دل میں چھپی ہوئی اپنا مطلب نکالنا چاہتی ہے - اون کے طرز سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو رہی ہے - اور وہ یہ ہے - کہ کاش پاک اسلام کی شریعت ہی دنیا سے مٹ جائے اور خصوصاً نماز - روزہ - زکوٰۃ - حج کے فرائض کا بوجھ دین اسلام سے دور کر دیا جائے - اور کھانے اور پینے اور دوسرے امور کے لئے جو حرمت کی روکاوٹیں قرآن کریم نے لگائی ہوئی ہیں - اونکو اٹھا دیا جاوے کیونکہ اس قسم کے احکام اکثر مدنی سورتوں میں ہی آئے ہوئے ہیں اور مدنی سورتوں کو خارج کرنے کی تجویز پیش کرنے سے مراد اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے اگر اون کی منشاء صرف انہیں چند امور کے اصلاح تک محدود ہوتی تو وہ اس راہ کو کبھی اختیار نہ کرتے اور قریب وہی راہ تھی - جس سے وہ اس مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں - مگر یہاں تو تمام مدنی سورتوں کو جو اسلامی شریعت کی روح رواں ہیں اور جن میں زیادہ حصہ تمدنی مضامین کا بھرا ہوا ہے انہیں کو جڑھ سے کاٹنے کی تجویزیں پیش کیجاتی ہیں جس سے مسلمانوں کے کندھوں سے شریعت کا جوا ہی اتار دینا مقصود ہے بنگال بھی ایک عجیب ملک ہے - جہاں کوئی نہ کوئی اسلام کا ایسا خیر خواہ پیدا ہوتا رہتا ہے - جو اسلام کے سدا بہار گلستان کے پیڑوں کو کبھی نہ کبھی جڑ سے اکھاڑنے کی صلاحیں دیتے رہتے ہیں - مگر خدا ہے - جو اپنے وعدہ انا لہ لحافظون کے مطابق دین اسلام کی حفاظت کرتا ہے - اور ان لوگوں کو اپنی ایسی کوششوں میں نامراد ہی رکھتا ہے ابھی دو سال ہوئے ہیں - کہ اسی ملک بنگال میں ایک محمد سرفراز خاں صاحب نکلے تھے - جنہوں نے اسلامی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر یہ کوشش کی تھی - کہ اس پائدار محل کے ستون نماز روزہ وغیرہ بھی نیچے سے کھینچ لئے جاویں - سرفراز خاں صاحب نے بنگال کے ایک اسلامی پرچہ میں اپنی اصلاحوں کی تمہید یوں شروع کی تھی کہ نماز روزہ - زکوٰۃ و حج کے احکام جو حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام والتحیات نے قائم فرمائے تھے وہ موجودہ صدی کے مسلمانوں کے مناسب حال نہیں بلکہ انہیں ہمارے زمانے کے تعلیم یافتہ اور مہذب جنٹلمینوں کیلئے بعض نئی اصلاح ہونی چاہئے - مثلاً خدائے عزوجل ذوالجلال والاکرام کے حضور میں نماز کے وقت سربسجود ہو کر ناصیہ نیاز کو بہ ادائے خشوع زمین پر رکھنے کی رسم کو بالکل اڑا دیا جاوے - اور اسکی بجائے صرف اسقدر جائز رکھا جائے کہ کرسیوں پر بیٹھکر مجمل دعا کر لیجاوے - اور جو نمازیوں کا امام آگے کھڑا ہو کر فاتحہ اور دوسری قرآنی سورتیں پڑھتا ہے - وہ صرف یہی کہے کہ مقتدی یوں کہا کریں یوں کیطرح [illegible] برکت کر لیا کرے - اور روزے میں کھانے اور پینے سے روک کو دور کر دیا جاوے اور بجائے اس کے صبح کے ناشتے دن کے مختلف اوقات میں کھانے کی اجازت دیدی جاوے - اسیطرح زکوٰۃ کے مبارک اصول کی بیخ کاٹ کر ملکہ معظمہ کالج کو چندہ دینے جایا کریں - اور بجائے بیت اللہ شریف کے حج کے ایجوکیشنل کانفرنس کے سالیانہ اجلاسوں میں شریک ہونے کو کافی سمجھ لیا جائے - اور حج کو ترک کر دیا جائے - مسٹر دلاور حسین صاحب اسی نتیجہ پر پہونچے ہیں - کہ اسلام کا زمانہ گذر چکا ہے - اور اسکی زندگی کے دن ختم ہو چکے ہیں - اور اگر اسلامی احکام اور شریعت میں ترمیم اور اصلاح کرنا اب سے ہی شروع کر دیا جاوے تو بہیر خود بخود واضح ہو جاویگا - کہ واقع طور پر زمانہ اسلام کی حیات کا پیالہ لبریز نہیں ہو چکا - اس لئے سب سے پہلے ہمارا یہ فرض ہے - کہ اس بات پر غور کریں اور اسکی اچھی طرح جانچ پڑتال کریں - کہ ان مجوزہ اصلاحوں اور ترمیموں کا مذہب اسلام پر کیا اثر ہوگا؟ کیا اصلاح اور ترمیموں کے بعد جو مذہب قرار پاتا ہے وہ وہی اسلام ہو سکتا ہے - جو حضرت سرور کائنات فخر عرب و عجم نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم کیا تھا؟ مسٹر دلاور حسین مکی اور مدنی سورتوں میں ایک فرق تجویز کرتے ہیں - آپ فرماتے ہیں کہ "حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی مکی زندگی میں جب اللہ تعالیٰ کی توحید اسکی قدرت و طاقت اور اسکی محبت کی تعلیم دی تو اس وقت آپکی حیثیت ایک ایسے نبی کی تھی - جو تمام اہل جہان کی روحانی اصلاح اور ترقیات کیلئے نازل ہوا تھا لیکن جب آپنے مدینہ میں شرعی اور قانونی احکام نافذ فرمائے - تو اسوقت آپکی حیثیت ایک بادشاہ کی تھی جسکی غرض صرف مدینہ کی مخصوص بستی میں امن قائم رکھنا - اور ملک کو بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچائے رکھنا تھی - مکی زندگی میں آنحضرت نے ایسے مذہبی اور اخلاقی علوم کے حقایق و معارف کی تعلیم دی - جو ہر جا یکساں ہیں - اور ہر کہیں جانے کے قابل لیکن - مدینہ میں جا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے جو وہاں موجود تھے - مناسب حال سلوک کرنا پڑا" لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس فرق کی تمیز ہمارے لایق دوست مسٹر دلاور حسین ہی کے ایسے ذہن رسا اور دماغ نکتہ سنج کی تراش ہے - اور خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سے بیخبر اور ناواقف تھے؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع فیوض و برکات بے انتہا نے خود بھی کسی ایسے فرق کو بیان فرمایا ہے؟ مسٹر موصوف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے - کہ درحقیقت یہ فرق پہلے موجود تھا - لیکن ان کے نزدیک یہ قصور خلفائے راشدین کا ہے - کہ انہوں نے مکی اور مدنی سورتوں کو ملا کر گڑ بڑ مچا دی - بقول مسٹر موصوف قرآنی سورتوں کی یہ اتفاقی ترتیب ہی اس امر کا موجب ہوئی ہے - کہ وہ احکام جو صرف مدینہ طیبہ کے وحشی اور جاہل اور بہائم خصلت نا شائستہ اقوام کے مناسب حال تھے - ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے ذمے پڑکر انکی تباہی کا موجب ہوئے - کاش اگر اس وقت رسول کریم صلعم زندہ ہوتے - تو نہ تو خود ہی ایسی حرکت کرتے اور نہ ہی صحابہ کو کرنے دیتے - اور پھر وہ لکھتے ہیں - کہ خلفائے راشدین کے افعال اور اقوال وہ تعظیم اور تکریم پانے کا حق نہیں رکھتے جو ان کے بعینہٖ رسول خدا صلعم کے اپنے افعال اور اقوال پانے کا حق رکھتے ہیں" غرضکہ اب اس سارے مسئلہ کا مدار اس بات پر آن ٹھیرتا ہے کہ خود رسول کریم صلعم مدنی سورتوں کو (جنہیں وہ قانونی احکام اور شریعت میں جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی) ان مکی سورتوں سے کم رتبہ سمجھتے تھے - یا دونوں قسم کی سورتوں کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام یکسان عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - اگر ہمارے لایق دوست مسٹر دلاور حسین صاحب ذرا غور ہی سے کام لیتے تو ایسے امر پر جو سوسائٹی کے مسلم اصول کو تہ و بالا کرنے والا ہے - لب کشائی کی جرأت کرنے سے پہلے ان کا فرض تھا کہ اس مسئلہ پر ہر ایک نشیب و فراز کے پہلو سے نظر کرتے - ہمیں تو تعجب آتا ہے - کہ مسٹر دلاور حسین جیسے فاضل انسان جو اتنی بڑی اہم قومی اصلاح کا بیڑا اٹھانے کیلئے ایسی جرأت کرتے ہیں - ایسے نازک مسئلہ پر جسکا اثر قرآن کریم پر پڑتا ہے - بحث کرتے وقت اسقدر جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے ہیں - انہوں نے ایسا بعید القیاس پہلو اختیار کیا ہے - جسے دیکھکر نہ صرف ہم بلکہ جو شخص قرآن کریم کو پڑھے گا تعجب کریگا - جس ہی خدا نے مکی سورتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی فرمایا تھا اسی عالم الغیب قادر و توانا خدا نے اسیطرح مدنی سورتوں کو وحی کے ذریعے آنحضرت صلعم پر نازل فرمایا - اور سارے قرآن میں ایک حرف بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے کوئی بامحاورہ انسان یہ نتیجہ نکال سکے - کہ مدنی سورتوں کے احکام مکی سورتوں کے احکام سے الگ اور نرالے رنگ کے ہیں - اور نہ ہی کہیں بات لفظاً کوئی اشارہ پایا جاتا ہے کہ مدنی احکام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر وحی الہٰی کے اپنی طرف سے ہی دیدیئے تھے - غور کی بات ہے کہ ذیل کی آیت شریفہ ایک مکی سورۃ میں ہی نازل ہوئی ہے جس سے یہ امر تحقیقی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سارے کا سارا قرآن شریف کیا وہ حصہ جو مکہ میں نازل ہوا تھا - اور کیا وہ جو مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا - بلا کسی تفاوت اور فرق کے اللہ تعالیٰ کیطرف سے یکسان الہام ہے - وہ آیت یہ ہے - افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا یعنے "کیا پھر وہ قرآن کو سوچ اور بچار سے نہیں پڑھتے؟ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف یقیناً ملجاتے"

اب ناظرین خود ہی غور فرماویں - کہ جبکہ ایک مکی سورۃ میں یہ آیۃ موجود ہے جو بلا تفاوت سارے قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر قاطع اور ساطع دلیل ہے - تو اس کے مقابل میں مسٹر دلاور حسین صاحب کی یہ باتیں کس وقعت کے قابل ہیں - کہ مدنی سورتوں میں جو احکام درج ہیں وہ خدا کی وحی کے بغیر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے صرف ان وحشی لوگوں پر سیاست اور حکومت کیغرض سے درج کئے ہیں اس کے سوا ایک اور مکی سورۃ میں ذیل کی آیت ہے -

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا

یعنے "جو کچھ ہم نے اپنے بندے (حضرت سرور کائنات) پر نازل کیا ہے۔ اگر تمہیں کچھ شک ہے تو تم کوئی ایسی سورة لا دکھاؤ اور خدا کے سوا اپنے گواہوں کو طلب کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر تم نہ کرو اور کسیطرح ایسی سورة نہیں لا سکو گے"

جہاں تک ہم قیاس کر سکتے ہیں انہی آیات پر مسٹر ولادر حسین صاحب کو یہ یقین دلانے کیلئے کافی ہونگی کہ انہوں نے ایک غلط رویہ اختیار کیا ہے۔ اور ان کو صاف ثابت ہو جائیگا۔ کہ مدنی سورتیں بھی اسی علام الغیوب کی وحی ہے۔ جس نے اپنی کامل قدرت سے مکہ معظمہ میں اپنے پیارے نبی (علیہ الصلوٰة والسلام) پر غیر متغیر اخلاقی و دینی معارف و حقائق کو بذریعہ وحی نازل فرمایا تھا۔ یہ بات اس حد تک تو صاف اور کھلی ہے کہ مدنی احکام اور فرائض آنحضرت صلعم نے کسی مصلحت اور ضرورت کیلئے نہیں بنائے تھے۔ بلکہ جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ سے پاتے وہی آگے ہم کو پہنچاتے تھے۔ مسٹر ولادر حسین اگر قرآن شریف کو منجانب اللہ ہونے کے قائل ہوں۔ تو شاید یہ اعتراض کریں کہ اگرچہ یہ احکام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وحی ہوئے تھے لیکن اس سے یہ مراد نہیں تھی۔ کہ ہمیشہ کیلئے یہ احکام دیئے گئے ہیں۔ اور تمام جہان پر فرض کئے گئے ہیں بلکہ وہ خاص حالات کے ماتحت خاص خاص اقوام کو دیئے گئے تھے۔ اس صورت میں مدنی احکام کے ساتھ ایسے الفاظ دکھانے کا بار ثبوت ان کے ذمہ ہے۔ کہ جن سے یہ بات صریح طور پر ظاہر ہو۔ کہ یہ مدنی احکام محدود القوم اور محدود الوقت تھے۔ اور یہ دکھانا بھی انہیں کا ذمہ ہے۔ کہ مکی سورتوں کے ساتھ ایسے الفاظ نہیں۔ اس بات کو ماننے کیلئے ہم تیار ہیں کہ اگر آنحضرت صلعم صرف عرب ہی کیلئے رسول بنکر آئے ہوتے تو یہ قوانین اور احکام شاید محدود و دائمی ہونے کا دعویٰ کرنے کے حقدار نہ ہوتے۔ لیکن آپکی ذات مبارک تو رحمة للعالمین ہے اور تمام جہان کی ہدایت کیلئے زندہ نبی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا یعنے "کہہ دے دنیا کے لوگو میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں" اس سے آپکی تمام وحی بالاستقلال آئندہ کیلئے ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے۔ کہ جو شریعت آنحضرت صلعم کو بذریعہ وحی عطا ہوئی ہے۔ وہ آخری شریعت ہے۔ اور کوئی نئی شریعت اس کے بعد نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی اس کو منسوخ کر سکتی ہے اس لئے تمام قوانین اور قانونی احکام جو اسمیں درج ہیں۔ خواہ وہ دینی حقائق اور معارف ہوں اور خواہ وہ تمدن و معاشرت کے متعلق ہوں وہ سب دائمی اور مستقل ہیں۔ اور جس شخص کو آنحضرت صلعم کی رسالت پر ایمان ہے۔ وہ ہر وقت ان احکام کو واجب التعمیل مانیگا۔

اس کے علاوہ ایک اور پہلو سے اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ پردہ۔ کثرت ازدواج طلاق اور وراثت کے احکام دوسرے سینکڑوں دینی احکام اور فرائض سے جدا نہیں ہو سکتے جن کا مجموعہ شریعت اسلامی ہے۔ بلکہ ان تعلیموں سے بھی الگ نہیں ہو سکتے ہیں جن کا منشاء یہ ہے کہ ہم اپنے نوع جنس پر شفقت اور لطف کریں۔ اور اسطرح خدا کی رضا جوئی کریں۔ اور اسکی حمد اور شکر بجا لائیں اور اسکے لاانتہا رحم اور فضل و کرم کا شکریہ ادا کریں۔ اور یہ خود اور تعلیمات وہ تعلیمات ہیں جنہیں مسٹر ولادر حسین خود مانتے ہیں کہ یہ غیر متغیر اور دائمی تعلیم ہے۔ پس اگر مدنی سورتوں کو رد کر دیا جائے تو ان کے ساتھ بہت سے ایسے حقائق اور احکام کو رد کرنا پڑیگا۔ جو غیر متبدل اور دائمی ہیں۔ اور جنکی اس تہذیب کے زمانہ میں واجب التعمیل ہونیپر خود مسٹر ولادر حسین کو بھی کوئی اعتراض نہیں اور ان تمام صداقتوں کا منشی فرحت خزانہ صرف ان تین یا چار باتوں کو دور کرنیکی خاطر رد کرنا پڑیگا جنہیں وہ قبیح اور مضر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ جن مسائل کو انہوں نے قبیح اور مضر قرار دیا ہے وہ ایسے مسائل ہیں جو صریح طور پر اعلیٰ درجہ کے ملکی اصول اور حقائق پر مبنی ہیں اور جن کو اس زمانہ اور اس ملک میں اپنے بڑے بڑے فاضل اور کم از کم مساوی درجہ کے آزاد خیال والے لوگوں نے انہیں مسائل کو دنیا کیلئے مفید اور نوع انسان کی بہتری کا باعث قرار دیا ہے اور یہ مشہور قول ہے۔ مگر یہی بات کا ذکر نا بھی ہمارا تدارک نہیں۔ مسٹر ولادر حسین کو حقیقی اسلام کی برکتوں کی لذت سے بہرہ نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ اس کے حسن جانفزا کے کرشموں سے کچھ خبر ہی ملی ہے۔ کاش انہیں اس لذت سے کچھ حصہ نصیب ہوتا۔ اور وہ اس مہر نور کے حسن سے کچھ خبر پاتے تا اس بے خبری اور دوری میں ان احکام پر ایسا فتویٰ صادر نہ کرتے اور ان میں وہ ایک حد تک معذور بھی ہیں۔ کیونکہ جو حال ان کا ہے اسمیں وہ اکیلے مبتلا نہیں۔ بلکہ اس ملک کے بہت دلوں کا یہی حال ہو رہا ہے۔ پھر ایک اور دلیل اس امر پر کہ شریعت اسلام کے احکام ہر قوم و ہر زمانہ کیلئے ہیں۔ یہ ہے کہ اسلام کی برکات دائمی برکات ہیں عیسائیت اور دوسرے مخالف مذہب کی طرح اسلام ایسا مذہب نہیں کہ جسمیں وہ برکات نہ رہی ہوں جن کا اس کے ماننے والوں کو وعدہ دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ وہ پاک دین ہے۔ جو سدا بہار کے بہشت کے باغ کی طرح ہے۔ کہ جسکی سرسبزی میں کبھی فرق آتا ہی نہیں۔ اور جسمیں معجزات کبھی ختم ہونے ہی نہیں۔ اب بھی ایک مومن مسلمان قرآن کریم پر عمل کرنے سے انہیں برکتوں کا وارث ہو جاتا ہے۔ جن کا اس کتاب میں وعدہ درج ہے۔ ایک انسان پرست عیسائی یہ کہیگا کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہلانے اور زہر کو کھا جانے۔ اور اس سے کچھ نقصان نہ پہنچنے کی خارق العادت طاقت جو مومنوں کیلئے انجیل میں وعدہ دیگئی ہے۔ اس کا خاتمہ حضرت مسیح کے حواریوں پر ہو چکا لیکن ہم مسلمانوں کا خدا کے فضل سے آجتک یہ دعویٰ ہے کہ خدا کے کلام پر صدق دل سے عمل کرنیکی برکت سے دعا کی قبولیت اور خدا سے مکالمہ کا شرف ہر وقت حاصل ہو سکتا ہے پس جب اسلام کی برکتیں کبھی ختم نہ ہونگی۔ تو اس کے احکام بھی کبھی بیکار نہ ہونگے۔ اگر ایک شخص ان برکات کے حاصل کرنیسے محروم ہے۔ یا ان احکام شریعت کو ہمیشہ کیلئے قابل عمل نہیں سمجھتا۔ تو یہ اسکی فہم کا قصور ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اب دیکھنا یہ امر ہے۔ کہ ان مدنی احکام کو قرآن کریم کسطرح پیش کرتا ہے؟

آیہ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ایک مدنی سورة میں آئی ہے۔ اس آیة میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا ہے" جس سورة میں یہ آیة ہے۔ یہ وہ سورة مبارکہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر حصہ زندگی میں مدینہ میں نازل ہوئی اب صاف ظاہر ہے ....

کہ دین اسلام کی تکمیل اور اتمام نعمت جنکی طرف اس آیة کا اشارہ ہے۔ وہ مدنی احکام کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر مدنی اور مکی سورتوں میں ایسی قسم کا فرق ہوتا جو مسٹر ولادر حسین صاحب تجویز کرتے ہیں۔ تو تکمیل دین اور اتمام نعمت کے متعلق اس مضمون کی آیة مکی سورتوں کا خاتمہ ہونا چاہئے تھی۔ نہ کہ مدنی سورتوں کا۔ لیکن یہاں تو مدنی حصہ قرآن کو شامل کرکے ایک صورت میں یہ خاتمی اور اتمامی کلام نازل ہوا ہے۔ اور ماسوا اس کے اس آیة شریفہ میں کنایةً یا صراحةً کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان کوئی فرق یا امتیاز ظاہر ہو سکے۔ یہ آیة مکی اور مدنی سورتوں پر مساوی طور پر حاوی ہے نہ تو خود قرآن کریم سے ہی ثابت ہے۔ کہ مکی سورتیں ہی اتمام اور تکمیل دین کیلئے بس ہیں اور نہ ہی دین اسلام مدنی سورتوں کے بغیر اتم اور اکمل ہو سکتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ دین اسلام کیلئے مکی سورتوں کیطرح مدنی سورتیں بھی نہایت ضروری اور جزو لاینفک ہیں۔ ورنہ ان کے بغیر اسلام ناقص اور غیر مکمل رہتا ہے۔ اور اسکا دعویٰ اتمام اور تکمیل عبث ٹھہرتا ہے۔ اب رہا سورتوں کی ترتیب کا معاملہ سو چونکہ ایک علیحدہ مضمون ہے اس لئے ہم کسی وقت اسپر علیحدہ بحث کرینگے سردست اسجگہ ہم ناظرین کو اس بات سے آگاہ کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ قرآنی سورتوں کی ترتیب محض اتفاقی واقعہ ہوئی ہے۔ یا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف خلفائے راشدین نے اپنی مرضی سے جسطرح چاہا سورتوں کو ترتیب دے لیا۔ خود قرآن کریم تو یہ دعویٰ کرتا ہے۔ کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون اس عدہ میں اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے۔ کہ ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا۔ اور ہم خود ہی اس کے نگہبان ہوں گے۔ اب جو شخص خدا کی ہستی اور اس کے اوصاف پر ایمان رکھتا ہے۔ خوب سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس قرآن کے متعلق انسانی ہاتھوں سے کسطرح کی دستبازی کو کیا بلحاظ اس کے مضامین کے اور کیا بلحاظ اسکی ترتیب وغیرہ کے دخل پانا ممکن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدائی وعدہ انسانی دستبازی کا مانع ہے۔ اور یہ صحیح یقینی اور ثابت شدہ واقعہ ہے۔ کہ خداوند ذوالجلال والاکرام نے قرآن کریم کو انسان کے ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رکھا ہے۔ اور کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ ایک نقطہ یا شوشہ تک قرآن کریم میں تحریف کر سکے۔ آج صفحۂ دنیا پر ایک ہی پاک اور بے عیب کتاب قرآن کریم ہی ہے۔ جو تمام سماوی کتابوں کے میدان میں علم تحدی گاڑ کر آواز بلند کہنے کا حق رکھتا ہے کہ ان سب میں سے صرف میں ہی ہوں جس کو ہر طرح خدا محفوظ رکھتا ہے اور جسمیں کوئی انسان کسیطرح کا تصرف نہیں کر سکتا۔ اور نہ کر ہی سکا ہے اور اس وقت تک وہی قرآن محفوظ ہوں جو فخر کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اسجگہ پر اس مضمون پر ہم بتفصیل بحث نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ خود ایک مستقل مضمون ہے ہم انشاء اللہ تعالیٰ مسٹر ولادر حسین کے جواب مضامین کے سلسلہ میں ہی الگ مضمون میں اس پر مفصل بحث کریں گے۔ کیونکہ یہ خیالات مسٹر ولادر حسین ہی کے نہیں۔ بلکہ عیسائی۔ آریہ بھی نادانی سے بعض وقت یہ اعتراض پیش کیا کرتے ہیں۔

ہمیں یہ بات دیکھکر بہت افسوس ہوتا ہے کہ مسٹر ولادر حسین نے ان مسائل پر بحث کرنے والے بحث نہیں کی بلکہ مغربی تہذیب کی مدح سرائی اور ہر ایک اسلامی مسئلہ کی تخفیف کرنے میں اپنے کلام میں علمی یا تواریخی طرز بحث اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ جن امور کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر رنگ چڑھانے کے لئے ہر ایک قسم کے خیالات پیش کرتے ہیں خواہ وہ کیسے ہی بے بنیاد اور کمزور کیوں نہ ہوں۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ پردہ کی رسم اسلامی قوموں کی ترقی کیلئے سدراہ ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجھے نہایت افسوس سے اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ تاریخ عرب کے مطالعہ سے میں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بعد کے زمانہ میں کہ مسلمانوں کی جو زندگی کیفیت تھی بہت پستی میں آگئی اور عرب کے صحرانشینوں میں جو عورتوں کی حمایت کی سچی روح پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت کی نظم ہمارے دلوں کو فریفتہ کرتی ہے۔ وہ بتدریج مردہ ہو گئی اور اسکی بجائے گھروں میں لونڈیاں رکھنے کا رواج پا گیا۔ اور لونڈیوں کی تجارت ایک مستقل صورت اختیار کر گئی۔ اور میدان کارزار میں جو عورتیں دلاوری دکھاتی تھیں۔ اسکی رسم بھی بالکل جاتی رہی۔ اس بیان کی تائید میں وہ کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ ان کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے تاریخ عرب پڑھی ہی نہیں یا ان کی منشاء ہے کہ مسلمان پھر اسی ذلت جہالت اور وحشت کے قعر میں غرق ہوں جسمیں زمانہ جاہلیت کے عرب غرق تھے۔ وہ جاہلیت کا

زمانہ جسکی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں۔ وہ تو ایسا زمانہ تھا جب عورت ایک نہایت ہی ذلیل حالت میں تھی وہ خاوند کی جائداد شمار ہوتی تھی۔ اور باپ کے ترکہ کے تقسیم میں بیٹے کو ورثہ میں ملتی تھی۔ اور معصوم لڑکی پیدا ہوتے ہی ہلاک کیجاتی تھی۔ اور مرد بلا تعداد اور بلا قید عورتوں کو گھر و نشین رکھا کرتے تھے۔ اور فسق و فجور حد سے بڑھا ہوا تھا اب نئے وحشت کی روح حمایت کو پھر تب ہی پا سکتے ہیں کہ پھر زمانہ واپس آجاوے کیا پردہ کی رسم کو دور کرنے کی خوشی حاصل کرنیکیلئے مسٹر دلاور حسین صاحب اُن تمام بدکاریوں اور بد رسموں کو جن کو اسلام جڑ سے اکھاڑ چکا ہے۔ از سر نو رواج دینگے۔ کیا یہی وہ طرز اصلاح ہے جسکو اسلامی سوسائٹی میں رواج دینے کو وہ درپے ہو رہے ہیں؟ کیا پردہ ایسی بُری چیز ہے۔ کہ ایام جہالت کے عرب کی وہ ساری سیاہ کاریاں بھی اس سے کم درجہ پر ہیں اور ان کے مقابل میں پردہ زیادہ نقصان رساں ہے۔ کیا کوئی عقلمند انسان باور کر سکتا ہے۔ کہ یہ باتیں صحیح ہیں؟ کیا یہی وہ نیا اسلام ہے جسکی طرف ایسے صاحبان ہمیں لیجانا چاہتے ہیں؟ اسلام کے دشمن بھی اس بات کے معترف ہیں کہ اسلام نے دنیا میں عورت کی منزلت کو بڑھا دیا ہے۔ اور اسکو بہت سے ضروری حقوق سے متمتع کیا ہے جسپر آج وہ ناز کر سکتی ہے۔ یعنی اسے حق بخشا ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔ اسے حق دیا ہے کہ وہ خاوند سے علیحدہ اپنی جائداد کی وارث اور مالک بنے۔ لیکن مسٹر دلاور حسین ہر ایک اسلامی بات کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اسلام نے عورتوں کی حالت زمانہ جاہلیت سے بھی بہت نیچے گرا دی ہے۔ حالانکہ اسوقت گو وہ پردہ میں نہ ہوں مگر ایسا تنگ نہیں انسانیت سے خارج سمجھا گیا تھا کہ لڑکی کو مار ڈالنا اچھا کام سمجھا جاتا تھا۔

علاوہ اس کے مذکورہ بالا فقرہ میں بعض نہایت غلط بیانیاں کیگئی ہیں۔ مثلاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کو گھروں میں رکھنے سے اسلام نے لونڈیاں ڈالی۔ اور اسلام نے ہی غلامی کی تجارت کو رواج دیا۔ حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں عرب سوسائٹی میں زمانہ جاہلیت میں مروج اور موجود تھیں۔ اور نہایت بدترین حالت میں موجود تھیں۔ اسلام نے جو کیا وہ صرف یہ تھا کہ ان ہر دو امور میں عمدہ سے عمدہ اصلاح جو ممکن تھی۔ کر دکھائی۔ نہ ہی صراحت پاک نیت سے اسلام نے عورتوں کا جنگوں میں جا کر مدد دینا مسدود کیا ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمان سعادت اوان میں مسلمان خواتین ہو کر لڑائی کے کارزار میں بیچ کا امداد کرتی تھیں۔ اور یہ دستور صرف اس وقت تک ہی جاری رہا جب تک کہ پردہ کا حکم صادر نہ ہوا بلکہ پردہ کے حکم والی آیات نازل ہو جانے کے بعد بھی برابر مسلمان عورتیں اسیطرح میدان جنگ میں مدد کیلئے آتیں اور مدد دیتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ رسم پردہ پر جو اسلام کے دشمن اور دوست اعتراض کرتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اصلی اور حقیقی اسلامی پردہ اسی کو سمجھ رکھا ہے جو موجودہ بگڑی ہوئی صورت میں عام طور پر مسلمانوں کے رواجوں میں پایا جاتا ہے۔ مسٹر صاحب نہیں دیکھتے کہ اسلام نے کہاں تک پردہ کو ضروری قرار دیا ہے اور آیا وہ انسانوں کی اصلاح کیلئے ضروری تھا کہ نہیں اور ضروری ہے کہ نہیں۔

جس نہج سے مسٹر دلاور حسین عربی علم ادب کی تعلیم کو فضول اور نکما سمجھتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انکی نکتہ چینی منصفانہ طور پر نہیں۔ اُن کی رائے میں عربی تعلیم مسلمان سوسائٹی کی ترقی کیلئے نہایت مضر ہے۔ وہ قرار دیتے ہیں کہ عربی علم ادب سے تحقیقات کی روح پیدا نہیں ہوتی۔ اگر عربی علم ادب کا سیکھنا واقعہ میں ایسا ہی بے ثمر تھا اور اسی قسم کی سریع الاعتقادی اور سادہ لوحی اور باطل پرستی سکھانے والا ہی تھا جیسا وہ کہتے بیان کرتے ہیں تو کیونکر عربی ہی کی تعلیم سے مسلمان تہذیب کے معراج پر پہنچ گئے تھے اور کس طرح وہ دوسرے ملکوں میں چراغ علم روشن کرنے کا موجب ہوئے۔ اور علم ریاضی و نجوم و تواریخ و جغرافیہ وغیرہ علوم میں تمام جہان کے استاد بن گئے کیا پھر یہ بات عربی تعلیم سے مادہ تحقیقات پیدا نہیں ہوتا صحیح اور منصفانہ ہے؟ اب ناظرین اس عجیب طریق کو بھی ملاحظہ فرمائیں جس سے صاحب موصوف اپنے اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔ "کیا پڑھنے والے اس بات کی امید کرتے ہیں کہ ابن حجر کی کتاب غبطۃ الناظر پڑھنے سے تحقیقات کا مادہ پیدا ہوگا۔ یہ کتاب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے سوانح عمری ہے۔" اور مسٹر دلاور حسین صاحب کو اس کے مطالعہ کرنے پر اس بات پر اعتراض ہے کہ اسمیں حضرت شیخ مرحوم علیہ السلام کی بعض کرامات کا ذکر ہے۔ مثلاً اسمیں لکھا ہے کہ آپ نے دریائے دجلہ کو طغیانی سے روک دیا۔ اور کہیں بارش ہونے سے بند کر دی۔ اور آسمان پر پرواز کر گئے اور والدہ کی موت کا وقت بتا دیا۔ اور شیر خواری کی حالت میں ماہ رمضان میں والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔ ان کرامات کو بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "کیا ان لغو اور باطل کہانیوں کے پھیلانے سے تحقیقات کی عادت کو ترغیب ملنے کی کوئی امید ہو سکتی ہے؟ یا ہم امید نہیں کرتے کہ ایسی شرمناک جھوٹی کہانیوں کی اشاعت جو پادریوں اور برہمنوں نے محض بے حیائی سے ایجاد کی ہوئی ہیں تدبر اور تحقیق کے مادہ کا گلا گھونٹ دیگی؟ عربی تعلیم ہمیں ایسے جھوٹے اور غیر ممکن قصے اور کہانیاں سکھلائیگی۔ اور ہمیں سریع الاعتقادی میں ڈوبے رکھیگی۔" ہم ان سے بادب پوچھتے ہیں کہ کیا ان کے نزدیک استدلال کرنے کا یہی صحیح طریق ہے؟ تمام قدیم اور جدید اور دینی اور دنیاوی عربی لٹریچر کو صرف اتنی ایک بات کے قصور میں ملزم ٹھیراتے ہیں کہ اسمیں ایک ایسی کتاب لکھی ہوئی ہے جسمیں ایک ولی اللہ کی بعض ایسی کرامات درج ہیں جنہیں وہ نہیں مان سکتے۔ کیا یہ کتاب غبطۃ الناظر جس سے ان کا غصہ اس قدر بھڑکا ہے ایک ہی کتاب اس زبان میں ہے یا کیا یہی بہترین کتاب مسلم ہو چکی ہے یا کیا یہی کتاب عربی زباندانی کیلئے بطور معیار کے ہے؟ کیا انگریزی زبان میں سوانح عمری میں ان سے ہزارہا درجہ بڑھ کر بیہودہ کہانیاں پائی نہیں جاتیں؟ کیا مسٹر دلاور حسین نے انہیں کبھی نہیں دیکھا؟ یا کیا اسی بنا پر انگریزی زبان کی تعلیم کی مخالفت کرنے کے لئے بھی وہ تیار ہیں؟ اس زمانے میں جو کہ ہر شاخ علم میں ایجادات کا زمانہ ہے انہیں ایسی کتابوں کے تلاش کرنے کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم انہیں ایک آسان راہ بتاتے ہیں کہ وہ صرف **ڈکشنری آف میریکلز** یعنے فرہنگ کرامات کا مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ انگریزی زبان میں کیسی بیہودہ کہانیاں درج ہیں جنکے سامنے بیہودگی خود نادم ہوتی ہے۔

انگریزی علم ادب بھی ان عیوب اور نقائص سے پاک نہیں جو انہیں عربی لٹریچر میں نظر آتے ہیں۔ اگر ان کا یہ خیال ہو کہ ایسے قصے آجکل انگریزی میں پڑھے نہیں جاتے اور راسخ ان کا انگریزی زباندانی پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو یہی بات ہم غبطۃ الناظر کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر دلاور حسین اس بات سے ناواقف ہیں کہ اس زمانے میں عربی نے کسقدر بڑی ترقی کی ہے۔ اور تمام علمی تحقیقاتوں اور جدید معلومات کا مخزن اور مرجع ہو گئی ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں جو معلومات پائی جا سکتی ہیں وہ سب عربی زبان میں مل سکتی ہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں۔ کہ مسٹر دلاور حسین کو ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق ہوگا کہ انگریزی زبان میں بائیبل ایک اعلیٰ درجہ کی زباندانی کی کتاب مانی گئی ہے اور اسکے پڑھے بغیر انگریزی زبان کی تعلیم ہی ناقص سمجھی جاتی ہے۔

اب اس بائیبل میں کیا ہے؟ یہ تو اسی قسم کی کہانیوں اور قصوں سے بھری ہوئی ہے جنکو خود مسٹر دلاور حسین جیسے فاضل اور منطقی انسان جھوٹے اور لغو قصے بیان کرتے ہیں جو اُن کے خیال میں پادریوں اور برہمنوں وغیرہ نے محض بیحیائی سے ایجاد کئے ہوئے ہیں ان لوگوں کی نظروں میں یہ ایسے لغو قصے ہیں جن کے مقابلہ میں غبطۃ الناظر کی حکایات ہزاروں درجے کم لغو نظر آتی ہیں۔ اور جو بقول مسٹر دلاور حسین قوم کو سخت ضعیف الاعتقادی اور باطل پرستی کے گڑھے میں غرق رکھتی ہیں۔ انہیں کے کلام کا انہیں پر الٹا کر معارضہ کرنا ہمیں حق پہنچتا ہے کہ وہ اتنی خدمت ہمیں بخش دیں کہ "انگریزی زبان کی تعلیم خواہ کتنی وسیع اور عمیق کیجائے تو بھی اس سے تفکر اور تحقیقات کی روح پیدا نہیں ہو سکیگی۔ کیا کوئی پڑھنے والا امید کر سکتا ہے۔ کہ بائیبل جیسی کتاب کے پڑھنے سے تفحص اور تحقیقات کے مادے کو تحریک پیدا ہو سکیگی؟ اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک عورت کے ہاں خدا پیدا ہوا۔ اور اس بچے کو لوگ ہزاروں کوسوں سے چل کر یروشلم میں دیکھنے آئے۔ اور ان کے آگے آگے ایک ستارہ چلتا آتا تھا جو اس جگہ جا کر ٹھیر گیا جہاں وہ بچہ تھا۔ یہ بھی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ آدمی جس کا نام یسوع تھا سمندروں پر چلتا اور دیووں کو نکالتا تھا۔ اور چھونے سے ہر قسم کی بیماریوں کو دور کرتا تھا۔ اور کئی دنوں کے مُردوں کو قبروں میں سے زندہ کر کے نکالتا تھا۔ اس نے کئی ہزار آدمیوں کو ایک ہی روٹی سے سیر کر دیا۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ موسےٰ اور ایلیا جو کئی صدیوں سے گذر چکے تھے اس کو ایک پہاڑ پر ملے تھے۔ اور خود مرنے کے تین روز بعد وہ قبر سے جی اٹھا۔ اور آسمان پر چڑھ گیا۔ اور اس کے مرنے پر صدیوں کے مردہ لوگ پھر زندہ ہو کر شہر یروشلم میں چلے گئے۔ یہ بھی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یسوع نے اپنے شاگردوں کو مردہ زندہ کرنے اور دیوانوں اور ابرصوں کو اچھا کرنے اور سانپوں پر پاؤں رکھکر چلنے اور زہر نگلنے اور پہاڑ ہلانے کی طاقت بخشی۔ کیا آپ امید کر سکتے ہیں کہ ایسے غلط اور بیہودہ قصوں کا پھیلنا عادت تحقیق کو تحریک کریگا؟ یا کیا آپ کو امید ہو سکتی ہے کہ ایسے قصوں کی اشاعت سے جو مذہبی لوگوں اور پادریوں نے بیحیائی اور شوخ چشمی سے ایجاد کئے ہوئے ہیں قوت تدبر اور تحقیق دب کر مردہ نہیں ہو جائیگی؟ انگریزی تعلیم ہمیں اسی قسم کے باطل اور ناممکن قصے سکھائیگی اور ہمیں ضعیف الاعتقادی کے ورطہ میں غرق رکھیگی جو جہالت میں گرنے کی ایک اور راہ ہے۔" ہماری یہ غرض نہیں کہ اس جگہ اس بات پر بحث کریں کہ فلاں معجزہ ممکن الوقوع ہے۔ اور فلاں معجزہ کو ہم نہیں مانتے۔ ہم صرف مسٹر دلاور حسین صاحب کو دکھلانا چاہتے ہیں کہ ان کے دلائل عربی تعلیم کے برخلاف بالکل بیہودہ اور ضعیف ہیں۔ ہم نے اوپر ان کی عبارت کو حرف بحرف نقل کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ عربی کے بجائے انگریزی اور غبطۃ الناظر کی بجائے بائیبل اور شیخ عبد القادر کی کرامات کی بجائے یسوع مسیح کی کرامات لکھدی ہیں ناظرین اب خود ہی قیاس کر سکتے ہیں کہ مسٹر دلاور حسین نے کس نیت اور کس منشاء سے اپنا مضمون لکھا۔ انہوں نے اس نہایت ضروری مسئلہ پر کیسی جلدی میں اور بلا تحقیق بحث کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی جو قومی ترقی میں ناموری پانے کی آرزو رکھتے ہیں وہ ان ضروری سوالات پر جنہیں وہ خود حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں گہری نظر سے توجہ کریں اور علمی اصول پر تحقیق کو اختیار کریں۔ اگر ان کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں میں تحقیقات کی روح پھونکیں تو ان کا پہلا فرض ہے کہ وہ خود اس راہ کو اختیار کریں اور یہ ثابت کریں کہ وہ یورپین تہذیب کے ایسے دلدادہ نہیں کہ صرف اس کی حمایت کیلئے دروغ جوئی اور تحقیق کی راہ سے دین اسلام کے اصول پر عیب لگاتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ جو مسائل ان کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں۔ ان پر نہایت متانت اور انصاف سے بحث کریں۔ اور نہایت مطمئن اور ٹھنڈے دل سے غور کریں جب تک کہ کسی امر کی تائید میں یا اس کے برخلاف مضبوط اور قطعی دلائل نہ ملیں اس وقت تک کسی بات پر عیب نہ لگائیں اور نہ ہی کسی بات کی مدح سرائی کریں۔ اگر یورپ کے لوگوں میں فی الواقعہ کوئی اچھی باتیں ہیں تو ہمیں سب سے پہلے انہیں اختیار کرنا چاہئے۔ اور اگر انہیں کچھ نقصان دہ امور ہیں

تو ہمارا فرض ہے کہ انہیں برا کہیں اور ترک کرنے میں تامل نہ کریں -

ہم نے اس مضمون کے شروع شروع میں ہی اپنی پوزیشن کا بیان کر دینا ضروری سمجھا اور یہ ظاہر کر دینا لازمی خیال کیا کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے - ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں - کہ مسائل کو حکیمانہ طور پر تحقیق کرنے کے وقت اعتقادات کو الگ رکھ دینا چاہئے - کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارا مخاطب ہمارا ہم عقیدہ نہ ہو لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے - کہ مسٹر ولاور حسین نے بھی جوش میں آکر محض اپنے ہی اعتقادات ظاہر کر دیئے اور حکیمانہ طرز بحث اختیار نہ کی - انہوں نے یورپین اور اسلامی سوسائٹی کو مقابل میں رکھ کر ان رواجوں کو چن لیا ہے جن کا وجود اسلامی سوسائٹی میں ہے اور دوسری سوسائٹی میں نہیں - اور پھر وہ فی الفور اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ اسلامی سوسائٹی کے تخریب کا باعث ان امور کا وجود اور یورپین تہذیب کا سبب ان کا نہ ہونا ہے -

اب اگر یہی طریق درست ہے تو پھر ان کو مناسب تھا کہ وہ یورپین اور اسلامی سوسائٹی کا پورا مقابلہ کرتے اور ایسے خط و خال بھی دیکھتے جو ایک میں موجود ہیں اور دوسرے میں نہیں - اور چونکہ یورپ اس وقت کمال تہذیب پر پہونچ چکا ہے - اس لئے اس کے ہر ایک خط و خال کو قبول کر لیں - مثلاً یورپین تمدن کے ماتحت ایک عورت بالغ منکوحہ کو کامل آزادی ہے کہ وہ جہاں چاہے جاوے - وہ خاوند بیشک بہت ہی نالائق اور حاسد خاوند ہے اور انہیں بدبختی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جو اس بات کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے کہ اس کی عورت باہر جا کر کس کو ملی کس سے ملاقات نہیں گئی - شریف اور عقلمند خاوند وہ ہے کہ جو اس بات کی پرسش نہ کرے اور ایسا ہی جب ڈاک والا چٹھیاں لاوے تو ان خطوط کو ہاتھ تک بھی نہ لگائے جو ان کی بیگم صاحبہ کے نام آئی ہیں - ممکن ہے کہ ان خطوط میں سے کسی خط کا راقم ان کی بیوی صاحبہ کے حسن خداداد کا سچا مداح ہو اور ایسے خط کو پڑھ کر خاوند صاحب میں وہ نالائق اور ردی جذبہ جوش زن ہو جاوے جس کا نام حسد اور رقابت ہے - آخر حسن خدا ہی کا عطیہ ہے خاوند کا پیدا کردہ نہیں اگر کوئی اسکی تعریف کرتا ہے تو محض خدا کی تعریف کر رہا ہے - کیوں ہم اپنی رقیبانہ مزاج سے خدا کی اس تحمید و تقدیس کو جو وہ کر رہا ہے روکیں -

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند - تمدن انسانی کا یہ اصول ہو گیا ہے اور ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کی خوشی اور راحت کو بڑھائے - تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت اور مرد کا ایک جلسہ میں جمع ہونا اور ان کا شریک ہو کر کوئی کام کرنا ہی خوشی اور سرور کا موجب ہوتا ہے تو پھر اگر کوئی حسینہ جمیلہ عورت کسی بے تکلفی میں انقاب حسنہ سے اپنی کو مرحبا دیکھ کر ہر ایک انسان کی روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے - تو کیوں ایک حاسد مزاج خاوند ایسے غزال رعنا کو پردہ کے پیچھے میں بند رکھے تعلق خدا کو بھی راحت سے دور رکھ رہا ہے وہ انسانی سوسائٹی کا دشمن ہے اور خلق کی راحت کو گھٹا رہا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی عورت کو گھر میں ایسے لوگوں میں لیجا دے جو اس کو دیکھ کر خوش ہوں جو اس کے حسن کی اور اس کے لباس کی تعریف کریں جس لباس نے اسکے حسن کو دوبالا کر دیا ہے اور وہ تعریف کرنے کی اجازت دے - اور ایسی تعریف سے خوش ہو - اور اس شغل پر ان لوگوں کا شکریہ بھی ادا کرے کہ جن حسن پرستوں نے آپکی بیوی صاحبہ کی تعریف کی تھی - اس سے بڑھکر ایک انسان کیلئے سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کی راحت کا موجب ہو سکے - مثلاً اگر بال میں جا کر کسی کی خوبصورت بیوی کسی غیر کے ساتھ ناچ کر دیکھنے والوں کو اور خاصکر ناچنے والے کے جذبات کو طمانیت دے رہی ہو تو یہ ایک خدمت انسانی ہے یہ دیکھنے والوں کا تھوڑا احسان ہے کہ اس نے اس مرد کی بیوی کو سینکڑوں موجود بیویوں میں سے انتخاب کر کے خاوند کو عزت دی -

میں مسٹر ولاور حسین سے پوچھتا ہوں کہ آخر اس تمام تہذیب کی غایت کیا ہے جسکا اسقدر زور دیا ہے - بیشک اس کی علت و غائیت ہم قائم کر لیں جب تک اسکے نہ ہونے کا رنج نہیں اور اس کے نہ ہونے کی خوشی نہیں - آخر اس تہذیب کا مآل کیا ہے وہ یہی سمجھ سکتے ہیں کہ منتفق ہونگے کہ دولت روپیہ پیسہ اسکا مآل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی رسا اس غایت کے حصول کا ہی تہذیب کے عقلاء نے سعادت کے نزدیک یہ ہو کہ انسانی محنت و تکلیف کم ہو اور اسکی طاقت و راحت زیادہ ہو - وہ کیسے کم محنت کر کے زیادہ سے زیادہ راحت حاصل کر سکے - یورپین تہذیب کا مسٹر ولاور حسین کا معراج ہے اسے بیشک دن بدن کم کر کے زیادہ سے زیادہ سعادت حاصل کر لیا ہے اور اس سعادت کو روپیہ کی شکل میں بدلکر روپیہ کے ذریعہ تمام راحتوں کے سامان بہم پہونچا سکتے ہیں اور بڑی سے بڑی راحتوں میں جو ہمارے یورپین دوست مہیا کرتے ہیں اسکی ایک شکل اوپر ذکر کر دی گئی ہے - اور یہ ایک ایسا یورپین سوسائٹی کا نمبر ہے جو اسلامی سوسائٹی میں مطلق نہیں جب مسٹر ولاور حسین کا طریق تحقیق یہی ہے کہ اس نے دو سوسائٹیوں کے مقابلہ پر جو یورپین سوسائٹی میں بالاستقلال دیکھا اس کو وجہ تہذیب ٹھہرا دیا تو اس لئے مجھے مذکورہ بالا سطور لکھنے کی ضرورت پیدا ہوئی - والا میرے نزدیک تو یہ ایک جہالت نہیں ہے - میرا صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ کسی قوم کے تنزل یا ترقی کے اسباب دریافت کرنے کا وہ طریق نہیں جو مسٹر ولاور حسین نے اختیار کیا ہے - وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے قرن دوم میں فوق العادت ترقی کی - اسلام نے ہی اول اول یورپ میں علم و فضل کی روشنی پھیلائی اور یورپ کو فخر جہالت سے نکالکر ترقی کی راہ پر گامزن کیا جسقدر سرعت کے ساتھ اسلام نے تہذیب کے منازل طے کئے وہ اپنے اندر ایک اعجاز کا رنگ رکھتے ہیں یورپ کو جو کمال حاصل کرنے میں شرح برس سے زیادہ عرصہ خرچ کرنا پڑا اور ہلا کھوں جانیں تلف کرنی پڑیں وہ اسلام نے نصف صدی سے کم عرصہ میں بلا خون کے ضائع ہونے کے حاصل کر لیا - اس کے ماسوا ہر ایک واقف تاریخ تہذیب کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یورپ ساتویں صدی تک خطرناک ظلمات میں گرفتار تھا - اس کی اقوام میں ایسے تعصبات اور نقص موجود تھے کہ انکی نظیر اسوقت بھی اسلام کی موجودہ پست حالت میں نہیں - جیسے روم ایک دن میں روم نہیں بنا تھا - اسیطرح فرنگستان نے بھی بہت ہی آہستگی کے ساتھ ترقی کی - پندرھویں صدی میں ظلمت جہالت اور روشنی علم کا جنگ شروع ہوا اور بہت آہستگی اور مشکلات کے ساتھ آخرکار روشنی علم نے فتح پائی اور یورپ کے سر پر موجودہ تہذیب کا تاج پہنایا - اب اگر اسلامی سوسائٹی میں آج ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو اسلام کے عروج کے وقت بھی موجود تھیں بلکہ قبل از عروج بے لکر ایام عروج میں بھی موجود تھیں - تو انہیں تنزل اسلام سے کوئی تعلق نہیں - اسیطرح اگر بعض ایسی باتیں جو اسوقت یورپ میں نہیں پائی جاتیں وہ یورپین ایام جہالت میں بھی یورپین سوسائٹی میں نہیں پائی جاتی تھیں تو پھر ان کے وجود یا عدم کو یورپین تہذیب سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا - مثلاً مسٹر ولاور حسین نے یورپین ترقی اور اسلامی تنزل کے اسباب - یورپ میں تردہ کثیر الازدواجی طلاق - غلامی وغیرہ وغیرہ امور کا نہ ہونا اور اسلامی اقوام میں ان امور کا نہ ہونا بیان کی ہیں - لیکن میں ان سے باادب پوچھتا ہوں کہ یہ باتیں تو ابتدا ہی کبھی یورپ میں نہ تھیں - پھر کیوں یورپ مدت العمر تک جہالت میں دوبا رہا اور تہذیب کے ادنے درجے سے باہر نکل سکا اور بالمقابل اگر ان امور کا وجود ہی اسلام کے لئے باعث تخریب ہوا تو پھر یہ امور تو اس وقت تعلیم کئے گئے تھے - جب اسلام ابھی ابتدائی حالت میں تھا پھر کیوں موجودگی میں بھی اسلام نے معجزہ نما ترقی کی - معترض کی پوزیشن بیشک مضبوط ہو جاتی اگر وہ دکھلا سکتے کہ یورپ میں ابتدا کثیر الازدواجی پردہ - طلاق وغیرہ باتیں بکثرت تھیں اور اسلام میں بالکل نہ تھیں - اس لئے یورپ مدت العمر تک تہذیب سے دور رہا اور اسلام فوق العادت ترقی تہذیب میں کرتا رہا - لیکن جب مسلمانی اقوام نے بہت سی فتوحات پیدا کر لیں اور ان کے پاس کثرت سے مال و دولت جمع ہو گئے تو پھر اسلامی سوسائٹی میں مذکورہ بالا باتیں پیدا ہو گئیں اور بالمقابل جب صدیوں تک یورپ نے جہالت کو نہ چھوڑا - تو پھر ناچار یورپین اقوام نے مذکورہ بالا امور کو ترک کیا - اس طرح ہر دو اقوام کے حالات میں تبدیلی واقع ہوئی - لہذا اسلام نے ترقی چھوڑ کر تنزل اختیار کیا اور یورپین سوسائٹی میں دن بدن بہتری نظر آنے لگی - لیکن تاریخ اور واقعات ایسے نتائج اخذ کرنے کے برخلاف ہیں - ایک محقق کسی قوم کی ترقی یا عدم ترقی کے اسباب تلاش کرنے کے وقت اس قوم کا نقطہ انقلاب تلاش کریگا پھر دیکھے گا کہ اس وقت خاص میں کونسے امور اس قوم میں موجود یا غیر موجود تھے اور پھر وقت خاص کے بعد کونسی باتیں اس قوم نے ترک یا اختیار کیں - اب اس نقطہ انقلاب کے بعد اگر اس قوم نے ترقی کی ہے تو اس کی ترقی کا باعث وہ امور ہونگے جو اس قوم نے انقلاب کے بعد اختیار کئے اور اس کے موجب یہی وہ باتیں ہونگی جن کو انقلاب کے بعد اس قوم نے ترک کر دیا لیکن اس سے پہلے انہیں وہ باتیں موجود تھیں - اسیطرح اگر اس قوم نے ترقی ترقی کرتے کرتے پھر تنزل کی طرف رخ کیا تو پھر بھی وہی نقطہ انقلاب فیصلہ کن ہوگا اور ان باتوں کی تلاش کرنی ہوگی جو اس وقت کے بعد قوم نے ترک کر دیں یا اختیار کر لیں - ترک کردہ امور کو اسباب ترقی سمجھا جاویگا - اور اختیار کردہ باتوں کو موانع ترقیات - اب اس معیار کے ساتھ اگر ہم مسٹر ولاور حسین کی تھیوری کا امتحان کریں تو ان کی پوزیشن قائم رہنی نظر نہیں آتی کیونکہ جن امور کے نہ ہونے نے یورپ کو ان کے خیال میں معراج تہذیب تک پہونچایا وہ ابتدا سے ہی یورپین سوسائٹی میں نہ تھیں لیکن پھر بھی یورپ مدت العمر تک تہذیب کو چھو تک نہ گیا اور جن باتوں کے وجود نے بخیال ان کے اسلام کو تنزل دکھایا وہ اسکی ترقی سے پہلے اور دوران ترقی میں بھی موجود تھیں - علاوہ ازیں مسٹر ولاور حسین نے یورپین سوسائٹی کی ترقی تہذیب میں جن اسباب کا حوالہ دیا ہے ان کا بھی ایک ہی پہلو پبلک کے سامنے پیش کیا ہے - ان کے نزدیک فیوڈل سسٹم بہت بُرا یورپین طریق سلطنت کی اصلاح کا باعث ہوا - اور اس کے رو سے ہر ایک معتبر نگہبان میں بادشاہ کے نیچے امرا ہوتے تھے اور ان امرا کے ماتحت جو رعایا تھی وہی انکی فوج تھی جو اپنے امرا کے جان نثار رہتے اور جو ان کے کہنے کے مطابق بادشاہ کی اطاعت یا مخالفت پر آمادہ ہو جاتے تھے اس طرح کل ملک کے امرا بحیثیت مجموعی ایک مطلق العنان بادشاہ کی مطلق العنانی کا رد کرنے کیلئے ایک طاقتور روک تھی جو ہمارے معترض کو اسلامی ممالک میں بسبب تقسیم وراثت جائداد وغیرہ نظر نہیں آتے وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں جان بادشاہ انگلستان کا زمانہ اور امرا کا مجمع ہو کر ظالم بادشاہ سے میگنا چارٹا حاصل کرنا پیش کرتے ہیں یہ ایک حد تک درست ہے لیکن اس ایک فائدہ کے مقابل کیا ان کو وہ کوائف الملوکی اور اس کے بد نتائج بھول گئے ہیں جو یورپ صدیوں تک اس فیوڈل سسٹم کے طفیل بھگتا رہا - کیا امرا کی آپس کی خانہ جنگیوں نے اکثر ملک کے ملک تباہ نہیں کئے کیا ایک امیر دوسرے امیر پر آئے دن حملہ آور نہ ہوتا تھا - کیا یہی امرا بعض وقت محض ذاتی تعصب اور ذاتی مفاد کیلئے کسی ظالم بادشاہ کے ساتھ ملکر دوسرے مخالف امرا کی تباہی کا باعث

نہیں ہوسکتے تھے۔ کیا ایک امیر کی رعایا کو وہ خود سے امیر زبردستی مجبور نہیں کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے ظلموں کا انکے نشانہ نہ بنتے تھے۔ کیا یہی بیرن اور لارڈ اپنی رعایا کے ان پر قزاقوں اور ڈاکوؤں کا کام نہیں کرتے تھے اور غریب زمیندار مردوں کی محنت کا کمایا ہوا وہی ان امراء کی عیاشیوں کے سامان بہم پہنچانے میں خرچ نہ ہوتا تھا۔ انگلستان میں فیوڈل سسٹم نے گتے چار نا ماحاصل کردیا لیکن یہ فیوڈل سسٹم تو یورپ کے اور ممالک میں بھی تھا وہاں ملکی اور سیاسی فوائد اس سسٹم نے کیا اور کس وقت حاصل ہوئے۔ پھر جب فیوڈل سسٹم رفتہ رفتہ یورپ سے نکل چلا تو اسکی ایک اور صورت سکاٹ لینڈ کے پہاڑی اقوام اور ان کے امرا میں رہی۔ یہی پہاڑی اقوام مدت تک انگلستان کے امن میں کانٹے کیطرح کھٹکتے رہے اور آخر ایک مدبر سلطنت کو ان پہاڑی اقوام کو ایک مستقل ملیشیا میں بدل کر فیوڈل سسٹم کی برائیوں کا خاتمہ کرنا پڑا۔ اسیطرح جس عدم تقسیم وراثت کی مسٹر دلاور حسین تعریف کرتے ہیں۔ کیا اسی عدم تقسیم وراثت کے بدنتائج خود انگلستان کے مصنفین انگلستان ظاہر نہیں کر چکے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس سے جائداد کی تقسیم نہیں ہوئی اور کل کی کل بڑے بیٹے کے ہاتھ لگ گئی۔ لیکن کیا اس طریق سے یورپ میں لارڈوں کو اپاہج علیحدہ کاروبار سے متنفر نہیں بنایا دوسری طرف اس طریق وراثت سے امرا کے چھوٹے بچوں کو آوارہ گردوں کے محتاج اور در بدر کیا۔ انہوں نے باپ کی زندگی میں تو کسی دستکاری یا کسی حرفہ یا تجارت کی زندگی کا اختیار کرنا اپنی حیثیت کے برخلاف سمجھا اور پھر جب باپ مرگیا تو فوت لاہم تھے کیلئے انہیں اپنے بڑے بھائی کے میر مطبخ یا میر شکار بنکر پیٹ پالنا پڑا اور اپنی بھاوج کی بجا ناز برداری یا آن کرنی پڑی یا اپنے بھتیجوں کی اتالیقی کرنی پڑی۔ یورپین طریق وراثت نے بیشک خاندانی ثروت اور وجاہت کو تو قائم رکھا۔ لیکن خاندان کے دیگر افراد کو خستہ اور تباہ حال کردیا۔

اسیطرح مسٹر دلاور حسین نے پوپ کی مذہبی طاقت کو یورپین تہذیب کی ایک ہتھیار کی جزو تسلیم کیا۔ اسمیں شک نہیں کہ پوپ کی طاقت بعض وقت ظالم فرمانرواؤں کے ظلم سے رعایا کو بچاتی رہی۔ لیکن کیا یہ پوپ کی طاقت کسطرح طرح کے مظالم کی بنیاد نہیں ہوئی۔ کیا یہی طاقت رومن کاتھولک کی خطرناک سیہ کاریوں کی پردہ پوش نہیں ہوئی۔ کیا اسی طاقت سے بھروسہ پر مریم سلطنت انگلستان میں معصوم خون کے دریا نہیں بہائے۔ کیا اسی طاقت کے بھروسہ پر اسپین نے بیکس اور بے دست و پا امریکہ کے قدیم باشندگان کو تہ تیغ نہیں کیا۔ اسیطرح مسٹر دلاور حسین پردہ کے متعلق لکھتے ہیں عرب کے ایام جاہلیت کے عورت

مردوں کو یاد کرکے وہ زمانہ پھر دیکھنا چاہتے ہیں جب عورتیں جنگوں میں مردوں کے ہمراہ جاتی تھیں اور عرب مرد بھی حمایت ان عورتوں کی ظاہر کرتے تھے۔ لیکن میرے دوست کو عرب مردوں اور عورتوں کی سیہ کاریاں شاید عربی اشعار اور دیوانوں میں نظر نہیں پڑیں کہ جن سیہ کاریوں میں عرب کا تنزل دنیا سے بڑھ چکا تھا۔ میری غرض ان باتوں کے مختصر ذکر کردینے سے یہ ہے کہ ایک ٹھنڈے دل کے ساتھ تحقیق کرنیوالا انسان کسی انسٹیٹیوشن کا کوئی چمکتا ہوا پہلو دیکھکر شیدا نہیں ہوسکتا۔ اور ایسا ہی اگر اس انسٹیٹیوشن نے ملکی تہذیب کے قائم رکھنے میں یا اس کے ترقی دینے میں کوئی حصہ لیا ہو۔ لیکن اسکی قباحتیں تعداد میں فوائد سے زیادہ ہیں تو وہ انسٹیٹیوشن چنداں قابل التفات نہیں ہوتی جب تک اسکی قباحتوں کے انسداد کا انتظام بھی ساتھ نہ کیا گیا ہو۔ اسیطرح کوئی بھی چیز بذات خود باستثنا خاص خاص امور کے نہ اچھی اور نہ بری ہے اس چیز کا ایک استعمال انسان کیلئے باعث رحمت کردیتا ہے اور دوسرا استعمال اسے انسانی تباہی کا موجب بنا دیتا ہے۔ پھر ہم کسطرح کہہ سکتے ہیں کہ کوئی چیز تہذیب یا عدم تہذیب کا باعث ہوگی۔

مسٹر دلاور حسین کا فرض تھا کہ وہ ہر ایک انسٹیٹیوشن کے متعلق جذبات سے خالی ہو کر بحث کرتے جو ان کے زیر بحث تھی۔ وہ دیکھتے آیا انسانی سوسائٹی کی آسائش کیلئے اس انسٹیٹیوشن کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ اور اگر ضروری ہے تو وہ انسٹیٹیوشن چونکہ ان کے نزدیک بہت سی قباحتوں کا موجب ہے اس کا بدل بھی کوئی دوسری سوسائٹی میں موجود ہے یا قیاس میں آسکتا ہے یا نہیں۔ اگر تو ایسا تھا تو پھر وہ انسٹیٹیوشن بیشک قابل ترک تھی۔ لیکن اگر وہ انسٹیٹیوشن انسانی تمدن اور انسانی ضروریات کیلئے ازبس ضروری تھی۔ اور اس کا بدل انسانی دماغ تجویز کر ہی نہیں سکتا۔ تو پھر ان کو یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ آیا اس انسٹیٹیوشن کے وجود سے جو جو قباحتیں متصور ہیں ان کا کوئی انسداد بھی کیا گیا ہے یا نہیں۔ اگر وہ اس طریق پر اسلامی تعلیمات کا امتحان کرتے تو میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اسلامی تعلیم میں ایک خاص امتیاز دیکھتے۔ ان کو نظر آجاتا کہ قرآن نے انسانی تمدن اور انسانی معاشرت کو قائم رکھنے اور اس کو ترقی دینے کیلئے کیسے حکیمانہ طریق استعمال کئے ہیں۔ وہ دیکھ لیتے کہ اسلام نے اول تو ان تمام امور کو ترک کردیا ہے کہ جن میں انسان کیلئے کوئی فائدہ نہیں۔ پھر تمام ایسی باتیں جن سے ضرر دونوں متصور تھیں۔ لیکن ان کا ایک نعم البدل امر بھی ممکن تھا کہ جس سے شر پیدا نہ ہوسکتے تھے ایسی حالت میں اس امر کو بھی ترک کرکے اسکی جگہ نعم البدل تجویز کردیا۔ اور آخر کار ایسے امور کے اختیار کرنے میں کہ جو انسانی آسائش کیلئے ازبس ضروری ہیں۔ اور جن کا بدل بھی ہو نہیں سکتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی انکی بد استعمالی بہت کچھ خرابیوں کا موجب ہوسکتی تھی

ایسی حالت میں ان باتوں کو تو اختیار کیا لیکن انکی بد استعمالی کا سد باب کیا۔ اسی آخری قسم میں طلاق۔ کثیر الازدواجی وغیرہ کو سمجھتا ہوں۔ یہی مذہب اور یہی اصول سوسائٹی کے عقلاً ذکر اور قبول کئے جاسکتے ہیں۔ بجسمیں انسان کی ہر ایک ضرورت اور اسکی ہر ایک قوت کی نشوونما کرنے کے سامان مہیا کئے گئے ہوں۔ اب اگر قوم خدا تعالےٰ اور خدا کے رسول کی وصایا کو بھول جاوے۔ اور اپنی بگڑ کے باعث کسی خاص انسٹیٹیوشن کا قصور ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کے فضل نے خطرناک امراض کو رفع کیلئے نہایت ہی مفید دوائی افیون کی شکل میں پیدا کی ہے۔ اور چین نے اسے برے طور پر استعمال کرکے اس نعمت الٰہی کو اپنے لئے لعنت بنالیا ہے تو کیا یہ اعتراض خدا کے اس فعل پر ہوسکتا ہے۔ اسیطرح اگر انسانی سوسائٹی کے خاص خاص امراض کا خاص خاص قسموں میں علاج خدا کے کلام نے طلاق اور کثیر الازدواجی کے رنگ میں بتلایا ہے اور ایک قوم نے اسکے بد استعمالی سے قوم کیلئے موجب فساد کردیا ہے تو کیا جسطرح افیون کے پیدا کرنے میں خدا کا فعل قابل اعتراض نہیں اسیطرح طلاق اور کثیر الازدواجی کے تجویز کرنے میں خدا کا قول قابل اعتراض ہوسکتا ہے ؟؟

مسٹر دلاور حسین کا دوسرا طریق بحث یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ خود تہذیب کی تحقیق اور تعیین کرتے وہ بیلک پر واضح ظاہر کرتے کہ حقیقی تہذیب کیا ہے۔ ان کن کن قویٰ کے نشوونما پانے پر مہذب اور کن کن نقصوں کے باعث غیر مہذب کہلاتا ہے وہ ہمارے سامنے یورپین سوسائٹی کے خط و خال پیش کرکے اسی معیار پر اسلامی تعلیم کو آزماتے ہیں۔ ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ پہلے وہ ہم کو یقین دلائیں کہ یورپین معاشرت و تمدن کا ہی دوسرا نام حقیقی تہذیب ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کیلئے طیار ہیں کہ یورپ نے بعض حالات میں تہذیب حاصل کرلی ہے۔ لیکن ہم اس بات کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ اخلاق و آداب کے لحاظ سے یورپ ابھی تہذیب میں ناکمل ہے۔ دولت اور روپیہ کا جمع ہوجانا۔ تھوڑے وقت کا زیادہ معاوضہ ملنا۔ تھوڑی محنت کے مقابل میں زیادہ آسائش ہونا پولیٹیکل اکانمی کے رو سے عین تہذیب ہے۔ اور ہمکو اس لحاظ سے یورپین تہذیب کا قائل ہونا ہوگا۔ لیکن یہ تہذیب محض جسمانیات تک محدود ہے ابھی اخلاقی تہذیب اور روحانی تہذیب باقی ہے کیونکہ انسانی سوسائٹی کا کمال نہ صرف جسمانیات تک ہی محدود ہے بلکہ اخلاقی اور روحانی ترقیات بھی انسانی تہذیب کیلئے ضروری ہیں۔ ہم جسمانیات میں یورپین تہذیب کے ایک حد تک قائل ہیں ہم اخلاقی اور روحانی حالات کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی یورپین تہذیب کے مداح نہیں ہوسکتے۔ بہرحال اگر اسی تہذیب کو ہی مدنظر رکھکر تحقیق کیجائے تو معترض کو اس کے اسباب تلاش کرنے ضروری تھے اور ان اسباب کی تلاش

میں انہیں جدید علوم کے زمانہ کیطرف دیکھنا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہی وقت یورپین تہذیب جانے انقلاب تھا۔ اس تحقیق میں ان کو وہی باتیں دریافت کرنی تھیں جو جدید علوم سے پہلے یورپ میں نہ تھیں اور بعد میں پیدا ہوگئیں۔ کیونکہ وہی باتیں اس تہذیب کا حقیقی باعث تھیں نہ کثیر الازدواجی وغیرہ کا عدم وجود۔ اس تحقیق کے بعد جب وہ اس یورپین مادی تہذیب کے اسباب دریافت کرلیتے تو پھر ان اسباب کی تعلیم وہ انہیں مدنی سورتوں میں دیکھتے جن کو وہ قرآن سے خارج کرنا چاہتے ہیں اگر ان کو ان اسباب بلکہ ان اسباب سے احسن اسباب پیدا کرنے کی تعلیم قرآن میں مل جاتی تو پھر ان کو قرآنی تعلیم کی حقیقت معلوم ہوجاتی کہ یہ تعلیم سب سے اعلیٰ درجہ کے تہذیب یافتہ سوسائٹی کے موزون حال ہے۔ البتہ اگر قرآن ایسے تعلیمات سے خالی ثابت ہوتا تو پھر بیشک ان کا حق تھا کہ وہ قرآن کے تمدن اور معاشرت کے قوانین کو عربی صحرا نشینوں کے ہی موزون حال قرار دیتے اور پھر ہم بھی ان کے ساتھ ہم آواز ہوجاتے۔ سوچنے اور ضروری سوال ہے کہ تہذیب کیا ہے +

خواجہ کمال الدین بی۔ اے پلیڈر لاہور

نوٹ۔ مسٹر دلاور حسین کے بڑے بڑے اعتراض مفصلہ ذیل امور کے متعلق ہیں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق تقسیم وراثت۔ غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت۔ تجارتی سود کی ممانعت۔ اور ان چھ امور کے ساتھ ساتواں اعتراض سورتوں کی ترتیب کے متعلق ہے۔ ہم ان ساتوں امور پر الگ الگ مضامین انشاء اللہ آئندہ شائع کرینگے +

مندرجہ بالا مضمون جیسا راقم مضمون کے نام سے ظاہر ہے ہمارے محترم مخدوم سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مشہور و معروف **وکیل خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ لاہور** کے دماغ کا نتیجہ ہے۔ خواجہ صاحب ایک زبردست **اہل قلم** اور مضمون نگار ہیں اور ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹوریل میں اگرچہ اب تک آپ کو اسمیں کبھی کچھ لکھنے کا موقع نہیں ملا اور یہ پہلا مضمون ہے جو خواجہ صاحب کی قلم سے نکلا ہے۔ لیکن ہم خواجہ صاحب کو گو معذور سمجھتے ہیں خواجہ صاحب قادیان سے بہت دور **پشاور** میں رہکر میگزین کے صفحات میں اپنے قلم کے جوہر نہیں دکھا سکتے تھے لیکن اب خدا تعالےٰ کے فضل میں ان سے پشاور چھوٹ گیا ہے اور ان کا ہیڈکوارٹر **لاہور** ہوگیا ہے تو ہمیں خوش ہونا چاہئے اور امید رکھنی چاہئے کہ دقتاً فوقتاً خواجہ صاحب اپنے قلم سے نکلے ہوئے مضامین سے میگزین کی زیبائش کرتے رہینگے اور **لاہور** میں رہتے ہوئے وہ بہت کچھ قدرت قوم کی کرسکیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ قدرت خواجہ صاحب کو توفیق دے کہ جس غرض کیلئے انہوں نے پشاور کو چھوڑ کر لاہور میں رہنا اختیار کیا ہے وہ اسے پورا کرسکیں اور قوم اور پبلک کیلئے ایک نافع الناس وجود ثابت ہوں۔ آمین

اوائل علوم و حکمت عربیہ

شاید یہ امر کسی طالب علم پر مخفی نہین ہے کہ نسبت مرکز کی طرف محیط کے نسبت اصل کی ہے طرف فرع کے اور جب مرکز کی معرفت دشوار ہوتی ہے تو دائرہ کی اور محیط کی معرفت کی کوئی راہ نہ رہیگی۔ ہان یہ تدبیر ہے کہ ایک قوس لیجاوے اور اس مین ایک نقطہ فرض کیا جاوے اور اس سے خواہ دائرہ کے اندر یا باہر ایک خط مستقیم نکالا جاوے پس شک نہین کہ یہان ایک زاویہ پیدا ہوگا خواہ کسی مقدار اور وزن کا ہو اور اسیطرح ایک اور خط نکالا جاے اسی نقطہ کے پاس اور اسیطرح ایک اور خط اسی ترتیب سے پس اگر جو زاویے ہون وہ مقدار مین باہم برابر ہون تو اس وقت معلوم ہوگا کہ بیشک یہ قوس کسی دائرہ کی ہے ورنہ نہین یہی حال بعینہ دوائر علوم و فلسفہ کا ہے جو مبہم اور ناقص رہا اور انسان کو لازم ہے کہ پہلے ان مرکزون کو دریافت کرے اور ان کے نقطون کو سمجھے تا کہ معلوم ہو جاے وہ حقیقت پوشیدہ جو علمیت کی حالت مین ان افراد و اشخاص کے ضمن مین پائی جاتی ہے۔ پس ہم کہتے مین کہ ان کتابون کے میدانون مین تک و دو کرنے سے اور معارک نظر مین نگاہ دوڑانے سے یہ امر کہ یہ عبارت و سیر اقوام قدیم کی ہے خصوصاً قوم فرنگ اور اس کے فلاسفر اور حکما کی طرف سے اور اصحاب تواریخ قدیم و جدید کی طرف اہل براعظم یورپ و گریٹ برٹن وغیرہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ زمانہ قدیم مین جو قومین علم و حکمت کے واسطے مشہور تھین وہ روم و چین و یونان و ہند و مصر و فنیقین و کلدانیین و اہل بابل تھے اور ان سے لیکر قرون متوسط تک جو قومین اور بادشاہ حکومت و سلطنت کرتے تھے اور امم قدیمہ سے جو فنا ہو گئے ہین مجوس نا سمجھ تھے اور وہ سب بتون کی پرستش کرتے تھے اور طبیعت کی عبادت کرتے تھے بتون کو سجدہ کرتے تھے اور یہی وہ قدر مشترک ہے ان کی مذہبی جاہلی پرستش سے حاصل ہوئی تھی اور یہ لوگ بھول گئے تھے ایک حصہ اس شے کا جو انہین یاد دلائی گئی تھی ابتدائی عہد فطرت مین اور جس کا ان سے وعدہ لیا گیا تھا جب کہ وہ لوگ نطفے تھے اپنے اصلاب آبا مین اور جبکہ ہو گئے تھے گوشت کے ٹکڑے رحم مادر کی پشت مین اور گم تھے مقامات ارواح و نفوس مین پیشتر مین اس کے بعد علم و حکمت مین ترقی کر گئی حیثیت سے ایک اور قوم کا زمانہ آیا جسکو عرب کہتے ہین اور یہ قوم اہل اسلام ہے اور اسکے بعد زمانہ آیا اقوام فرنگ کا جو اب تک ہے اور روم جاپان و امریکہ کا کچھ اعتبار نہین کیونکہ یہ ممالک دست نگر ہین اپنے علوم مین اہل فرنگ کے انہین کی روشنی سے ایک چنگاری انہین ملی ہے اور انہین کو ساکن وطن ہے انہین علم ملا ہے اور اہل فرنگ اور اہل یورپ نے بہت کچھ علم و حکمت اہل اسلام سے حاصل کیا ہے اور وہ خود اس بات کے اپنی کتابون مین مقر ہین اور اس امر کی تصریح انگریزی مؤرخ ہنری زون نے اپنی کتاب ضخیم موسوم بہ گارڈسن مین جسکے ساتھ کتاب اسرار والعالم ہے کر دی ہے اور ان کے سوا اور متعدد اشخاص ہین جن کے اسما کا احاطہ اور حصر بہت دشوار ہے اور اس کے شواہد کا احصا ان کی کتابون سے نہایت مشکل ہے پس مناسب ہے کہ اس کا استقرار اور تحقیق تحقیق پسند اور مستعد طالب علمون کی تلاش اور کوشش پر چھوڑ دین اس کے بعد اہل فرنگ کی سند حکما ے روم و یونان کی طرف اس وجہ سے عالی ہو گئی کہ زمانہ نے انہین اصل کتابین ان حکما کی دکھا دین اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ان لوگون نے ان کتابون کا اپنی زبان مین ترجمہ کیا اور ان کے مسئلون کو اپنے دل سے برتر ہو کر دیتے ہین لیکن قوم ہنود و تبت پر کو خوب معلوم ہے کہ اس قوم کو اپنی بڑائی اصالت عہد و طلاقت بیان اور لیاقت زبان و خوبی علم نحو و کثرت علوم و صنائع و استحکام عمارات وغیرہ پر بڑا غرور ہے اور اس کا سخت تکبر ہے تاہم ان لوگون کے پاس اور صاحبان خبرت کے نزدیک اون کے زمانہ کی تاریخ کا کہین پتا نہین لیکن یہ یقینی ہے کہ ابتدائے زمانہ مین یہ لوگ فارسیون سے بعید سلطنت دار المظفر ہو گئے ہین اور ان کے بعد سکندر کی فوجون سے ہین پیس ڈالا تھا اس کے بعد اہل یونان ایک مدت دراز تک اور متواتر صدیون تک ان پر حکمران رہے اور جو کچھ ان ازمنہ گذشتہ و ایام خالیہ مین ان کا حال رہا ہے وہ قطعی طور پر معلوم ہے اور جو کچھ ان کی تاریخ کا پتا چلتا ہے وہ اسی زمانہ سے چلتا ہے جسمین اہل یونان نے انہین اپنے سینون سے روند ڈالا تھا اور اپنی تلوارون سے ان پر ساتھ ہو گئے تھے اور پورے طور پر اپنے زیر انہین کر دیئے تھے اور یہ حالات معلوم ہوتے ہین ان پرانے یونانیون کی کتابون سے جنمین سے ترجمہ کیا ہے اور رسالہ سال بسال کے ایک گروہ مین مثل ہراڈوٹس و اسطرابوس و فلاوریوس و بطلیموس و قطیاس و ارین و مغیسطنیس وغیرہ اور کتب اہل روم مین سے بلینائس و فرطیوس وغیرہ کی کتابون سے جب ان کتابون سے منقول ہے کتاب ترجمہ کئیں مؤلفہ ایشیاٹک سوسائٹی واقع شہر لندن مین اور مسٹر کتاب معتنمہ ایڈورڈ سلیمیال جس کا نام خزانۃ الکتب ہے اور ایک اور فاضل کی کتاب تاریخ ہند قدیم ہے جسکا نام ون بولن ہے وغیرہم اور اس سے بڑھ کر اس قوم کی نادانی اور جہالت پر یہی تاریخ سلطنت و علوم و صنعت سے کون دلیل ہوگی کہ یہ لوگ علم ہیئات کی ایک کتاب موسوم بہ سورج سدھانت کو جو چوتھی یا پانچوین صدی عیسوی مین تصنیف ہوئی تھی الہامی کہتے ہین کہ جو کئی ہزار برس کی لکھی ہوئی الہامی کتاب بتلاتے مین جیسا کہ اس کا ذکر مورخ فاضل الفنسٹن نے اپنی تاریخ کبیر مملکت ہند مین کیا ہے اور جب یہ حال ہو تو ہمین کون بات مجبور کر سکتی ہے اس بات کے جاننے پر کہ ان لوگون نے بذات خود علوم و فلسفہ مین اور خاص مسائل مین جہانتک حکما و فلاسفر کی فکرین نہین پہونچ سکتین ترقی کی ہے مگر یہی کہا جائیگا کہ یہ لوگ دست نگر اور شاگرد ان علوم مین اہل یونان کے ہین اور وہ مباحثات جو فلسفہ مین انیکریطوس سے اور ایک گروہ حکما ہند کے ہوئے ہین کہ جنمین کلانس مید الس بھی تھے اور سکندر رومی نے انہین اپنے پاس بلایا تھا مگر انہون نے حضوری سے انکار کیا مگر صرف کلانس کی رائے بعد کو بدل گئی اور وہ سکندر کے ساتھ ہو گیا تو ان لوگون نے آخر بحث مین انیکریطوس سے سوال کیا کہ ایسی باریک بحثین تم لوگون مین بھی ہوتی ہین یا نہین اس واقعہ سے وہ لوگ حجت لاتے ہین جن کا یہ گمان ہے کہ اہل ہند نے ان علوم و معارف مین کوئی شے یونان سے نہین لی لیکن اس کا بطلان ہوتا ہے اس روایت سے جو اہل تحقیقات اس مضمون کی نقل کرتے مین کہ فیثاغورث کے دو شاگرد رشید تھے ایک کا نام فلکس تھا جو مرد نوش کے لقب سے مشہور تھا وہ فارس مین آیا اور لوگون کو حکمت فیثاغورثی کی تعلیم دی اور علاوہ مذہب مجوس کے اس حکمت کو شائع کیا اور دوسرے کا نام فلاقوس تھا وہ ہندوستان مین داخل ہوا اور حکمت فیثاغورث برہمنہ ہند کو تعلیم دی مگر مجوس نے مادہ حکمت فیثاغورث کو لے لیا اور ہنود نے روح فلسفہ فیثاغورثی کو اختیار کیا اور اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اہل ہند کے خیالات فیثاغورث کے خیالات سے بہت ملتے مین علاوہ بران اس کا بطلان اس سے بھی ظاہر ہے کہ ہنود خود معترف ہین کہ فن ہیئات و نجوم ہم لوگون نے اہل یونان سے سیکھا اور اس اقرار کو ذکر کیا ہے ہربرٹ شاہ شاستر نے جو بڑے متعصب ہنود مین اپنی انگریزی تاریخ ہند مین اور نیز اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے اصطلاحات علم نجوم وہی ہین جو اہل یونان نے ایجاد کئے ہین مثل اسمائے بروج و صور کواکب وغیرہ جو فلک البروج مین پائی جاتے ہین ایک اور دلیل ان لوگون کی جو ہندوؤن کو مستقل قوم اپنے علوم و فلسفہ مین سمجھتے ہین ان کے چارون وید کی وجہ سے تھی جس پر انکے مذہب کا دارومدار ہے علی الخصوص وہ وید جو ہمیشہ مشہور ہے یجر وید کے نام سے جو حسب تجویز ڈاکٹر برڈ نیم جو اس ۱۵۰۰ برس قبل حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لکھا تھا مگر فاضل ہو شمرارت انفنسٹن مذکور نے اپنی تاریخ مین تصریح کر دی ہے کہ انکی دلیل اس بارہ مین کمزور ہے لیکن انہون نے قوی سمجھا ہے مسٹر کولبروک کی دلیل کو جو ایک بڑا عالی رتبہ کامل فن نجوم سنسکرت مین ہے انکی دلیل ان تقویمون کی بابت ہے جو بغرض درستی اعمال ماہانہ و سالانہ تیار ہو کر ان سے بر کے وید کی کتاب مین پائے گئے ہین اور انکی بنیاد قواعد علم ہیئات پر ہے اور انمین ذکر آیا ہے نقطہا ے انقلاب صیفی و شتوی کا اور کولبروک کا بیان ہے کہ ان تقویمون مین جو جگہ ان نقطون کی قرار دیگئی ہے وہ وہی جگہ ہے جو چودہ سو برس پیشتر حضرت عیسےٰ کے تھی مین کہتا ہون کہ یہ دلیل بھی کمزور ہے اسوجہ سے کہ یہ تقویمین اور بعض جن کا ذکر کیا ہے وید کی اجزا نہین بلکہ الحاق کر دیئے گئے ہین اور متاخرین نے انہین الحاق کر دیا ہے تاکہ وید کا مطلب بہ آسانی سمجھ مین آسکے چنانچہ امام اللغوین وامن شیورام آپتی ایڈیٹر نے اپنی بڑی لغت سنسکرت مین اسکی تصریح کر دی ہے۔ اور ان ملحقات کی چھ قسمین ہین جنمین انکی معرفہ مین وید انگ کہتے ہین پہلی قسم کا نام شکشا ہے اس غرض پر ہوتی ہے کہ مخارج حروف صحیح ہو جائین۔ دوسری چھند جس اس غرض سے کہ اوزان کی تصحیح عمل مین لائی جاوے جو شعر مین مستعمل ہوتے ہین اور وید کی اشعار نثر مین استعمال ہوتے ہین (۳) بیاکرن تصحیح ترکیب جملات و ابواب کی غرض سے جس کو علم نحو کہتے ہین (۴) نرکت جو لغت وید کی ہے جیسے قاموس عربی مین (۵) جیوتش یعنی علم نجوم جسکی ضرورت تقسیم اعمال مذہبی مین ہے اور جنمین بڑی ہے (۶) کلپ اصول قراءت کے واسطے وضع ہوئی ہے تو یہ کتابین متاخرین کی بنائی ہوئی ہین ویدون کے جز نہین ہین۔ پس ممکن ہے کہ کسی شخص نے متاخرین سے ان تقویمون کو ذریعہ ویدون کے قدیم العہد ثابت کرنیکا بنایا ہو یا اس کی یہ غرض ہو کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ علوم ہندوؤن کے پاس بہ نسبت دیگر اقوام کے بہت زیادہ پیشتر ہین تا ان کو دیگر قومون پر فخر حاصل ہو خصوصاً یونانیون پر جن کے بڑے لوگ اس زمانہ مین زیر حکومت تھے اور ایک اور دلیل ضعف رائے کولبروک کی یہ ہے کہ زاویہ قوس میل کلی کی مقدار ان گیارہ سو برس قبل سنہ عیسوی سے ۱۸۲۵ سنہ عیسوی تک جو رصدون سے معلوم ہوئی ہین وہ اس مدت دو ہزار نو سو پچیس برس مین درجات کے اعتبار سے سوا رصد علم ہیئات فرانسیسی کے کسیطرح مختلف نہین ہین صرف اس مدہ سنہ عیسوی ۱۷۰۳ مین ۲۳ درجہ ۲۸ دقیقہ ۲۵ ثانیہ پائے گئے اور باقی جتنی رصدین ہین انمین ۲۳ درجہ سے زیادہ نہین ہے اگرچہ اختلاف تو دقائق و ثوانی وغیرہ مین ہے موافق مختلف رصدون کے چنانچہ رصد چوہانگ جینی اسکی مقدار سنہ ۱۱۰۰ قبل عیسے ۲۳-۵۲-۳ پائی گئی اور سنہ ۲۰۰ قبل عیسی مین موافق رصد ایراٹوستنیس یونانی کے جسکی موافقت ابرخس و بطلیموس نے بھی کی ہے اسکی مقدار ۲۳ درجہ ۵۱-۲۰ تھی اور اسیطرح یہ مقدار مرصود ہوتی گئی یہانتک کہ سنہ ۱۸۲۵ء مین اسکی مقدار ۲۳ درجہ ۲۷-۴۳ تھی اور نجومیون نے دریافت کیا ہے کہ ہر فی صدی مین مقدار اختلاف ۵۰ء۵۰ سے زیادہ نہین ہے اور اس طور پر چودہ سو برس کی مدت مین مجموعہ ان مقادیر مختلفہ کا ۳۰-۲ ہوگا پس اگر ربعہ

کے رو سے مقدار ۲۵ ثانیہ ہوئے ۲۳۲۵ برس پیشتر
۲۳ ثم ۲ - ۱۰ ثم ہوا چاہئے اسمین ہم نے مقدار
اختلاف سنہ مذکور کو جوڑا تو مجموعہ ۲۳ ثم ۲۰ - ۵
۱۰ - ۵ ثم نکلا یہی مقدار ۲۰۰ سنہ قبل عیسےٰ ہونا چاہئے
لیکن یہ مقدار کسقدر قریب ہے اس مقدار سے جو
دو سو برس قبل عیسیٰ تھی اور اتنے تھوڑے
تفاوت پر عاقل کچھ اعتنا نہیں کرتا کہ اسے دلیل
کسی کتاب یا نوشتہ کے قدم عہد کی قرار دے
علی الخصوص جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان رصدون
مین کیسی کیسی فاحش غلطیان اور تناقض بیچ
پایا جاتا ہے آپ دیکھتے مین کہ ایک رصد دوسری
رصد سے مختلف ہوتی ہے اور اس سے بڑھ کر
اس کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ بطلیموس کی رصد مین
۱۴۰ سنہ عیسوی مین اسکی مقدار ۲۰ ثم ۲۰ - ۴۸ ثم تھی اور
بتانی کی رصد مین ۸۸۰ سنہ عیسوی مین اسکی مقدار
۵۹ ثم - ۴۸ - ۳۵ ثم پائی گئی - پس یہ مقدار اختلاف
۷۴۰ سال کی مدت مین کوئی عاقل قبول نہین کر سکتا
مگر یہ کہ یہی سمجھے کہ صاحب رصد نے غلطی فاحش کی
اور سخت سہل انگاری سے کام لیا پس کس چیز نے
مجبور کر دیا کہ لبروک کو اس اعتقاد پر کہ جو کچھ اس
نے ان فقرون میں لکھا پایا وہ لامحالہ صحیح تھا
اسمین بالکل غلطی شامل نہ تھی نہ تو درجون مین
نہ دقیقون مین نہ ثانیون مین نہ کسی اور عدد مین
تا آنکہ اسے دلیل خاص ان ویدون کے قدیم العہد
ہونے کا قرار دیا اور اور جو جواب ہم نے بیان
کیا ہے وہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ وید قبل مسیح
دو سو برس پیشتر لکھے گئے تھے دلیل اسکی وہی تقارب
مقدار ہے دونون ازادو یونکی اس عصر مین اور
۲۰۰ برس پیشتر سنہ عیسوی کے اور ہماری رائے کا
میلان اس طرف ہے کہ ہندوؤن نے اس فن کو ابتدا
مین قوم فنیقین سے حاصل کیا جو بلاد ہند مین بغرض
تجارت و نشر علوم سفر کیا کرتے تھے اور اقوام موجود
دست کو اپنے علوم کی تعلیم دیا کرتے تھے اور بیرت
انکی کتب تواریخ قدیمہ سے ثابت ہے پھر ہم کیسے
یقین کر سکتے ہین کہ براہمہ ہند نے ان ویدون مین
تحریف نہین کی اور جیسا دل چاہا اور ان کی رائے
قرار پائی وہ انہون نے نہین بڑھا دیا اور جو انہین
خلاف عقل معلوم ہوا اسے نکال ڈالا اور اسکا
منشا یہ ہوا کہ انکی مذہب کی صورت ننگا ہو کر دم مین
انہین معلوم ہوا اور یہ جو کچھ ہوا از منہ متاخرہ مین
ہوا ہے جب کہ شاگردان فیثاغورث اور اسکے
پیشتر فنیقین کی وجہ سے انہین علوم پیدا ہو چکے
تھے لیکن اہل یونان بس یہ لوگ ہی دستگیر
اپنے علوم میں اہل فنیقیا کے ہین کیونکہ انہون
فلسفہ و ریاضی تالیس ملیسی سے سیکھا ہے جو
۶۳۰ برس قبل عیسیٰ تھا اور اصل مین فنیقی تھا
یہ پہلا شخص ہے جس نے کلام کیا ہے حرکات
کواکب پر اور کسوفات پر اور ایک کسوف کی ۵۸۴
کی خبر بھی دی تھی اور پہلا شخص ہے جو گردش
زمین کا قائل ہوا ہے اور زمین کو منطقہ
مین تقسیم کیا اور نقطہائے اعتدال ربیعی و خریفی کو
جب کہ آفتاب اول حمل و اول میزان مین آتا ہے
اور اسیطرح نقطہائے انقلاب صیفی و شتوی کو
جبکہ آفتاب اول سرطان و اول جدی مین آتا ہو
دریافت کیا اور ایک گروہ اہل یونان سے کہ جنمیں
فیثاغورث و فلالاس بھی تھا اس سے اس فن
کو سیکھا اور اسی نے فن جبا سیٹری بھی ایجاد کیا
مگر اس کے اصول اہل مصر سے سیکھے تھے کیونکہ اصل
مین اس فن کی موجد ہے اور اسکی ضرورت
انہین کھیتون کی برابری اور پیمائش مین لاحق
ہوتی تھی اس کے بعد فیثاغورث اور اور لوگون
نے بڑھایا اس کے بعد افلاطون نے اسکے بعد
اقلیدس نے جو اہل سکندریہ سے تھا اور ۲۸۰ برس
پیشتر حضرت عیسیٰ کے تھا اس نے اس فن کی
تکمیل کی اس کے بعد ارشمیدس اور بالونیوس نے
کچھ اور مقالات اسکی کتاب مین بڑھائے جو اہل
فرنگ کے پاس نہین ہین بلکہ وہ صرف اہل اسلام کے
پاس موجود ہین اس سے ثابت ہوا کہ اہل یونان نے
علم ہیئات اہل فنیقیا سے سیکھی اور انہون نے اپنی
نوبت مین اہل مصر سے اور انہون نے اس فن
کو اہل کلدانیہ سے جو اہل بابل بھی کہلاتے ہین سیکھا
اور یہ سب تحجیری پرستش کرتے تھے اور کل
اقوام جو سام بن نوح کی اولاد ہین اور دیگر قدیم
قومین ایشیا کی سب اس خیال مین انکی شریک ہین
ان لوگون کا اعتقاد قوائے طبعیہ پر اس قدر اعتقاد
رکھا کہ ان اجرام کو قربانی ہونے لگے جنہین
یہ لوگ ان قوائے طبعیہ کا محل سمجھتے تھے اور
خیال تھا کہ ان قوائی نے انہین اپنا مسکن قرار
دیا ہے اور ان کا گمان تھا کہ قوتی فاعلہ انہین کے
زیادہ ذکر اور قوی منفعلہ وہ مونث ہین اور اسکی وجہ
سے آباد و امہات سے انکی تعبیر کرتے تھے اور
ان کا گمان تھا کہ بعل نام ہے قوت فاعلہ کا اور
بعلطیس بعل کی زوجہ نام ہے قوت منفعلہ کا اور انہین
پہلی قوت اصل پیدایش اور عنصر حیات ہے اور کبھی مادہ
موت و فنا بھی ہو جاتی ہے اور دوسری قوت
پہلی قوت سے حاملہ ہوتی ہے جیسے زوجہ اپنے شوہر
سے اور یہی وجہ ہے کہ جتنی چیزین اس عالم مین
موجود ہین خواہ وہ ذی شعور ہون یا نہ سب مین
تذکیر و تانیث بحیثیت زبان پائی جاتی ہے اسکے
بعد انہین قول تناسخ کا الوہیت اجسام بنی آدم مین
پیدا ہوا تاکہ علوم و صنایع کا ان لوگون مین شہرہ
ہوا اس وجہ سے یہ لوگ قائل ہوئے کچھ مدت تک
کروہ زمین پر رہتے ہین اور انکو تعلیم و ارشاد کرتے ہین
انہین سے اختنوخ اور برتبی ساکم و کلدانیون کے
نزدیک انکا بڑا افدا بعل تھا جو پہلا بادشاہ
ملک مشرق کا سمجھا جاتا ہے جسکو ان سے زمین پر
بادشاہت کی ہے اور یہ سردار تھا جمیع اقوام
بنی آدم کا اور اسی کے نام ان کا شہر بابل مشہور
ہوا جسکے معنی کہ شہر بعل کے ہین اور اسی نے
شہر بابل اور مینار بابل کا بنایا تھا جہان سے
زبانون میں اختلاف پیدا ہوا اور بنی آدم متفرق
زبانین بولنے لگے اور اسی قبیل کی اور بڑی بڑی
عمارتین اسی نے بنائین اور منجملہ ان کے ایک قلعہ
شملہ تھا جسمین دس سے ایک بڑا رصد خانہ تیار
کیا اور حرکات کواکب اور ان کے سیرات و تقدیرات
و تقویمات و رجوع و استقامات وغیرہ رصد کیا
کرتا تھا اور جو بڑے ضروری مسائل علم ہیئات
کے اسے معلوم ہوتے تھے وہ انہین تعلیم کیا کرتا
تھا اور ان کا مذہب تھا کہ شمس و قمر و مشتری
اور زہرہ ستارے نیک ہین اور زحل و مریخ
نحس ہین اور عطارد ان کے نزدیک ذوجہتین
ہے کبھی تاثیر نیک ان سے سرزد ہوتے ہین اور
کبھی تاثیر بد کیونکہ ان کا گمان تھا کہ ان کواکب کی تاثیر
کو انسان کی قسمت مین بڑا دخل ہے صحت و بیماری
و امیری و غریبی و موت و حیات وغیرہ مین پس اس لئے
اس کے حرکات و تنقلات اپنے بروج مین اور
انکی سیرت و رجوع و استقامات اپنے تثلیثات و
تسدیسات و حوائل و تقابل و افلاک خارجۃ المراکز وغیرہ
افلاک کلیہ و جزئیہ مین رصد کرنے لگے اور اس درمیان
مین انکو مسائل عظیمہ و اسرار دقیقہ اس ناظر خانہ کی وجہ
سے منکشف ہونے لگے اور یہی گویا صورت عبادت
انکی ان اجرام علویہ کی واسطے تھی مگر اللہ الاحد رب الارباب
کا ان کو کچھ بھی خیال نہ تھا اور نہ اسکی معرفت انہین
حاصل تھی - یہ اخبار ہین ان لوگون کے جو ترجمہ کتب
یونانیین کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہین مثل کتب ہیرو دوٹس
اول مورخین و قطسیاس کنیدسی طبیب ارد شیر دوم
شاہ فارس و کتاب دیا دورس سکیولس یونانی و
یوسیفوس مورخ یہودی مصنف تاریخ یہود و صحف انبیاء
و ملوک کتب عہد عتیق کے لیکن بروسیوس بابلی کلدانی
جو ایک بڑا مجبر کاہن بعل کا تھا اور اسکا شاگرد
عبید نیوس پس جو کچھ خرافات و مزخرفات انہون نے
ان دونون نے اپنی کتابون مین اس مضمون کے
متعلق بھرے ہین کہ ہمیرس و شاہ منجملان دس
بادشاہون کے جو مالک تھے زمین کے قبل طوفان
اس کے زمانہ مین ایک جانور بر حیرہ کے سمندر
سے نکلا تھا اور نصف میں زبرین مچھلی کا اور سر کا
نام اوانیس تھا اس نے انہین کل علوم و صنائع
تعلیم کئے تھے اور اسی سے انہون نے سیکھ کر جو
لکھا تھا یہ سب خرافات قابل التفات و اعتبار نہین
ہین پس یہ رائے قرار پائی کہ اہل کلدانیہ اصل میں
ان کل علوم میں خصوصاً علم ہیئات و ریاضیات
میں امام ہین اور باقی ماندہ اور قومیں سوائے اہل اسلام
ان سب کے دست نگر اور شاگرد ہین بخلاف یوسیفوس
مورخ یہودی کے کہ اس رائے کہ اس علم کو ایجاد
کیا ہے بعض انبیاء نے حضرت شیث بن آدم علیہ السلام
نے اور اسکی تائید اوس آنکیہ کی حدیث سے ہوتی ہے
جو حضرت جبرائیل حضرت آدم کے پاس لائے تھے اور
اور اس حدیث کو اخراج کیا ہے ابن جریر طبری نے
تاریخ الرسل والملوک نے ذیل ذکر حبر و قرار و مدینہ
جو عہد منصور عباسی میں پیدا ہوا تھا لیکن اہل فارس
تو کبھی علم و حکمت کے ساتھ مشہور نہ تھے ہان جو کچھ
انہون نے حاصل کیا وہ یونانیوں سے جو ان کے
بلاد پر غالب آگئے اور انکے شہرون پر قابض ہو گئے تھے
زمانہ قدیم میں اور اسکا ثبوت فلسفہ مشائیہ کے ان
اصطلاحات سے ملتا ہے جو ان کی قدیمی کتابون میں
مثل زند و پا زند و اوستا و ساتیر وغیرہ میں پائے جاتے ہیں -
اور نیز مرزا نوشہ جو پیشتر مذکور ہوئی وہ اسکے ثبوت
میں کافی ہے لیکن اہل چین پس یہ ایک قوم ہے -
جس کے حالات بالکل ہم سے مخفی ہیں اور اسکے اخبار
و تواریخ علوم سے ہم تک کچھ نہیں پہونچا ہے کیونکہ یہ
قوم شدید البخل ہے اپنے حالات کے بتانے میں بخل
اس لئے کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ اس قوم نے جو کچھ ترقی
کی ہے وہ اسوقت کی ہے جب اوس نے گوتما بودھ
حکیم ہندی کی دعوت کو قبول کیا ہوگا جو اہل اسلام میں
بوذاسف کے نام سے مشہور ہے اور شاید اسکی اصل
بودھ ہو اور اس کا نام لغت ہندی میں شاکیہ ہے
پس الٹ دیا کاف کو قاف سے اور کاتب نے غلطی
سے بجائے ثش شف لکھدیا پس بوذاسف ہو گیا
جیسے عام لوگ بوزاسف کہتے ہیں اس شخص کی خبر پہلی
مرتبہ اہل اسلام کو شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی کے
ذریعہ سے جو مشائخ شیعہ و روات اہل بیت سے تھے
پہونچی ہے اون کی اوس کتاب کے ذریعہ سے جو انہوں
نے اثبات غیبت و وجود حجت میں تصنیف کی ہے
اور کمال الدین و تمام النعمت کے نام سے مشہور ہے
اور اہل سنت میں جو شخص ابن الندیم - کے نام سے
مشہور ہیں اونہوں نے اسکا ذکر اپنی فہرست میں کیا ہے
اور اسے بوداسف بجائے موحدہ و دال مہملہ بجائے
مثناۃ تحتانیہ و ذال معجمہ لکھا ہے اور یہ ابن الندیم علوم
اوائل میں مہارت رکھتے تھے اور اصول اسنہ میں بھی
لیکن نام اونہوں نے غلطی کی حرف فا میں بجائے قاف
کے جیسا کہ میرا گمان ہے لیکن یہ وہ لغزش ہے جس
کے لئے کچھ لیا مواخذہ نہیں ہو سکتا - واللہ سبحانہ اعلم

علمی خبرین

غالباً اکثر ناظرین کو معلوم ہو گا کہ پانچویں صدی میں
محمد ابن تومرت ایک شخص پیدا ہوا تھا جسنے مہدویت
کے دعوے سے اسپین میں ایک نئی سلطنت قائم کی
جو کئی سو برس تک نہایت کامیابی کے ساتھ موحدین
کے نام سے مشہور رہی - یہ عجیب غریب شخص امام غزالی
کا شاگرد تھا اور سلطنت کے ساتھ اسنے ایک نئے مذہب
کی بھی بنیاد ڈالی تھی لیکن ہمکو یہ مطلق گمان نہ تھا کہ
دنیا میں اوسکی کوئی تصنیف بھی موجود ہے - یہ لوگ
تعجب سے سنیں گے کہ یورپ نے تلاش کر کے اسکی ایک
تصنیف کا پتہ لگایا اور چھاپ کر شائع کی - یہ کتاب
عنقریب ہمارے پاس یورپ سے آنیوالی ہے -

یورپ کی دیکھا دیکھی اب مصر اور شام میں بھی یہ مذاق
پیدا ہو چلا ہے کہ قدیم نادر تصنیفات ڈھونڈ کر
پیدا کی جاتی اور شائع کی جاتی ہیں چنانچہ امام اکمل
شافعی کی کتاب الام جو اون کی بہترین تصانیف
میں ہے چھپ رہی ہے اور اوس کے تین ٹکڑے اوقت
تک چھپ چکے ہیں - (الندوۃ)